الركن والمقام ياقوتتان من يواقيت الجنة

فضائل الحجر الأسود ومقام ابراهیم علیہ الصلوٰۃ والسلام



بقلم

سائد بکداش

مترجم

محمد عابد عمران انجم مدنی

کرمانوالہ بک شاپ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ
عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ
اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ۝

اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی
اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ
اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ۝

الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنۃ

فضائل الحجر الاسود ومقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

بفیضانِ کرم

حضرت سید السادات پیر محمد اسماعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف **حضرت کرمانوالے**

آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف اوکاڑہ

شمیم باغ ولایت

- حضرت سید محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

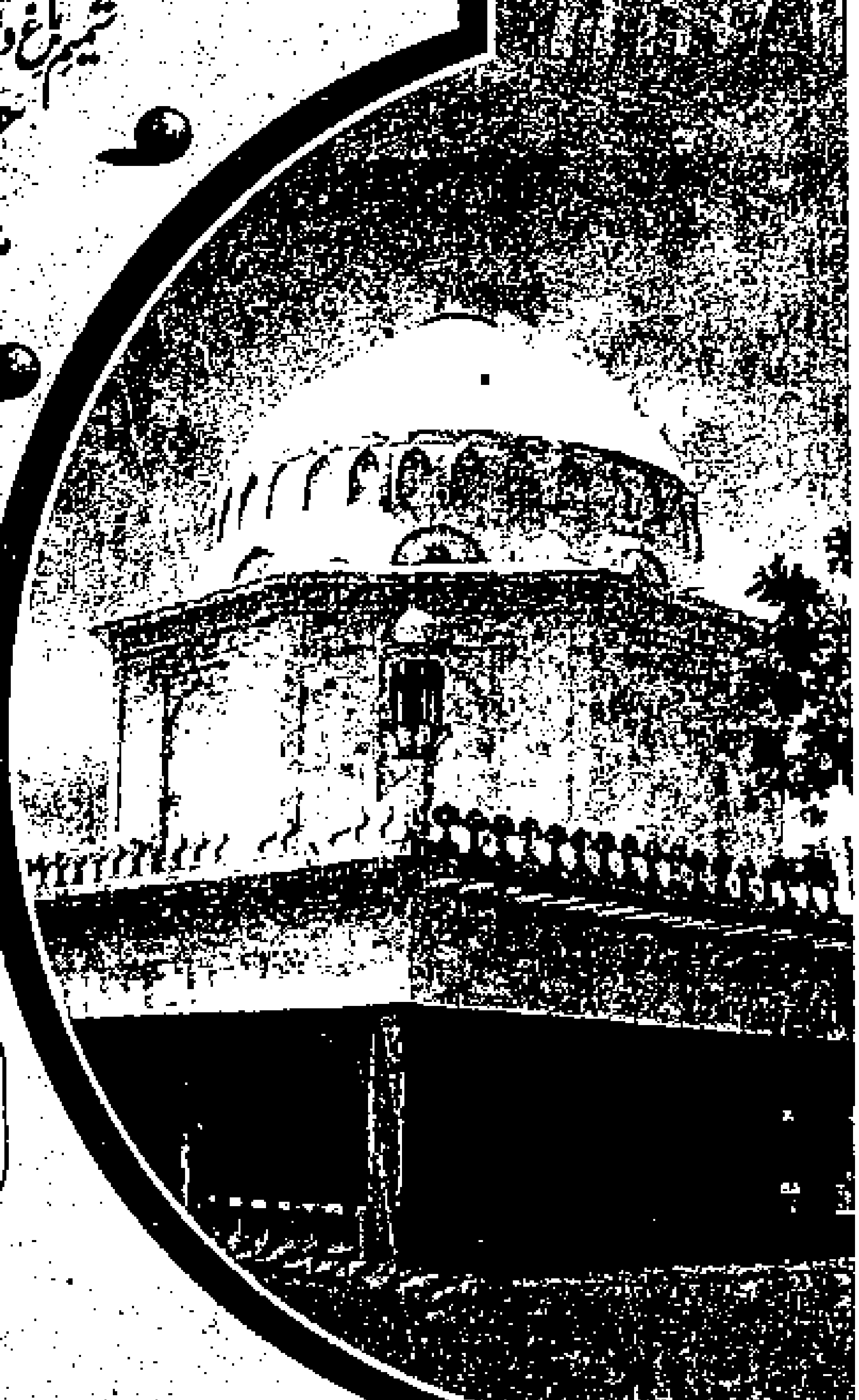
منظر پیر طریقت

- حضرت سید محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت پیر سید صمصام شاہ بخاری مدظلہ العالی

حضرت پیر

سید پیر طیب علی شاہ بخاری

سجادہ نشین حضرت کرمانوالہ شریف



زیرِ ترتیب

حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

زیر اہتمام

سمیع اللہ برکت

اشاعت 15 نومبر 2008ء

قیمت 180 روپے

عرض ناشر

الحمد اللہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم امابعد تمام تعریفیں بلاشبہ اللہ رب العزت ہی کے لئے ہیں جو کہ تمام تر جہانوں اور ان میں سانس لینے والی مخلوقات کا مالک وخالق ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''تبارک اللہ احسن الخالقین''۔ بے شک تمام مخلوقات ہی اللہ رب العزت کی پاکی بیان کرتی ہیں۔

کروڑوں درود وسلام ہو ہمارے آقا ومولیٰ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن کے ظہور اقدس نے کفر کی تاریکیوں کو نور کے اجالے سے ختم کر دیا اور انسانیت کو زندہ رہنے کی درست راہیں عطا فرمائیں۔

زیر نظر کتاب ایک حد درجہ اچھوتے موضوع پر مشتمل ہے اور اس کی طلب ایک عرصہ سے علمائے کرام میں محسوس کی جارہی تھی۔ اس کتاب کو حضرت علامہ سائد بکداش علیہ الرحمۃ نے ایک عرصہ قبل تالیف کیا تھا اور اس کتاب سے محض عربی دان طبقہ ہی مستفیض ہو رہا تھا۔

ادارہ اس بات پر بجا طور پر فخر محسوس کرتا ہے کہ ہم نے اس نایاب عربی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کے طبع کروانے کی سعی کی ہے۔ اگرچہ یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام ہوتا ہے جس سے اکثر پبلشرز کتراتے ہیں مگر ہم نے اسی مشکل کام کو ایک مشن کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کتاب سے قبل بھی چند عربی وفارسی کتب کے تراجم شائع کئے جبکہ کافی کتب پر مسلسل کام جاری وساری ہے مقامِ ابراہیم اور حجر اسود کی تاریخ جیسا کہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور اقدس سے ہی معلوم ہوتی ہے اور یقیناً وہ لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں جو اس کی زیارت سے مستفیض ہوتے

ہیں۔ بندۂ ناچیز کی خوش قسمتی کہ ابھی بہت کم عمری ہی میں تھا یعنی سولہ سال کی عمر رہی ہوگی جب مقام ابراہیم اور حجر اسود کی زیارت سے مشرف ہوا۔

میری دلی خواہش یہ تھی کہ ان متبارک مقامات پر کوئی کتاب وغیرہ ضرور ہونی چاہئے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ کتاب میری نظر سے گزری تو میری دیرینہ خواہش میرے تمام احساسات پر گویا غالب آگئی اور میں نے پہلی فرصت میں اس کا ترجمہ کروانے کا فیصلہ کرلیا۔ اگرچہ موجودہ حالات بہت پریشان کن ہیں مگر تمام تر نامساعد حالات کے باوجود اس کتاب کو شائع کرنے میں بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب ہوئے۔

ہم نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ پر بہت توجہ دی ہے لیکن اگر کسی قسم کی کوئی لفظی غلطی آپ کو دکھائی دے تو ازراہِ کرم ادارہ کو ضرور مطلع فرمایئے گا۔ ادارہ آپ کا حد درجہ ممنون ہوگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے بزرگوں کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے خصوصاً ہماری والدہ ماجدہ اور ہمارے دادا جان علیہ رحمۃ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں راحت و آسائش نصیب فرمائے۔ سب سے بڑھ کر ہمارے والد ماجد حضور قبلہ الحاج پیر انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی مدظلہ العالی کے روحانی درجات میں مزید ترقی عطا فرمائے اور آپ کو تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

سمیع اللہ برکت

خادم حضرت کرمانوالہ شریف

انتساب

پیاری والدہ ماجدہ (طالت حیاتہا)

دادی جان خاتون بی بی (عرف ماں جی)

پھوپھی جان المعروف آپاں جیؒ

کی

خدمت قرآن کریم

کے نام

عرضِ مترجم

الحمد للّٰہ رب العالمین علیٰ نعمائہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا محمد من بدء الکون الی انتھائہ وعلیٰ سیدنا ابراھیم الذی یستجاب لدعائہ و علی سیدنا اسماعیل المعاون فی بنائہ وعلیٰ آلِ محمد وصحبہٖ واولیاء امّتہٖ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین!

اَمّا بعد!

زیرِ مطالعہ کتاب "فضائلِ حجرِ اسود و مقام ابراہیم علیہ السلام" ان دو متبرک پتھروں کے بارے میں ہے جن کے متعلق سیدنا ورو حنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنة" (الحدیث)

"یعنی حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں"۔

یہ فرمانِ عالیشان ان مقدس پتھروں کی فضیلت کے بیان کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ انہیں اور بھی بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں۔ یعنی انہیں چھونے سے خطائیں معاف ہوتی ہیں، قیامت کے دن ان کے ہونٹ اور زبان ہوگی اور یہ اس شخص کی گواہی دیں گے جس نے ان کا حق پورا پورا ادا کیا اور سب سے بڑھ کر یہ

کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما کر اس کے تذکرے کو دوام بخش دیا ہے۔ علاوہ ازیں دورِ جاہلیت میں جبکہ مشرکین پتھروں کی پوجا خصوصاً حرم کعبہ کے پتھروں کی پوجا کے بہت دلدادہ تھے ان دونوں کی کبھی پوجا نہیں کی گئی۔ یہ چیز بھی ان کی قدر و منزلت پر دلالت کرتی ہے۔

پھر یہ کہ انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیدنا ورو حنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام و امم اور پھر سیدنا ورو حنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام امتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے اور تعلق قائم کر دیا ہے وہ اس طرح کہ جنہیں خانہ کعبہ جانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے (اللہ سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین) وہ اس جگہ پہ بوسہ دیتے اور نماز ادا کرتے ہیں جہاں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آج تک تمام انسانوں نے بوسے دیئے اور نماز ادا کی عشاق کے لئے اس بات میں بہت سی ناکام حسرتوں کا سامان ہے۔

الغرض! بے شمار فضائل ہیں جو ان متبرک جنتی یاقوتوں کو حاصل ہیں۔ فاضل مصنف سائد بکداش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں ان مقدس پتھروں کا تاریخی تذکرہ، ان کے خصائص و فضائل، ان کے متعلقہ فقہی احکام، ان کی تعریف میں کہے گئے اشعار کا تذکرہ اتنے احسن انداز میں ترتیب دیا ہے کہ بے ساختہ ذہن میں کسی ماہر مالی کے ترتیب دیئے ہوئے گلدستے کا خیال آتا ہے۔

بندۂ ناچیز نے حتی المقدور اس عربی کاوش کو اردو زبان کے سانچے میں آسان انداز میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ مشکل مقامات کو سہل انداز میں بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قارئین کے لئے نفع بخش بنائے اور میرے لئے، میرے والدین کے لئے اور اساتذہ کرام کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔

اس کتاب کے ترجمہ کے دوران جن کرم فرماؤں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمائے۔ آمین!

ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

جناب ابرار حسین انجم (والد گرامی)، جناب نور احمد نور، جناب قبلہ مفتی غلام حسن قادری، جناب قاری اصغر علی نورانی، جناب قاری غلام مرتضیٰ نقشبندی، جناب قاری اصغر علی سلطانی، جناب محمد علی شہزاد، جناب جابر حسین قمر، جناب عرفان علی، جناب رضوان علی، جناب ابوسفیان انجم، جناب ساجد علی، جناب عابد علی، جناب حاجی احمد رضا، حافظ امیر حمزہ نورانی، حافظ عبدالقدوس نورانی، حافظ عدیل منیر نورانی، حافظ قمر الزمان اور قاری صغیر حسین۔ سب کی حوصلہ افزائی پر تہہ دل سے مشکور ہوں۔

خصوص بالخصوص استاذی المکرّم قبلہ حافظ شیخ الحدیث محمد خان نوری (بھیرہ شریف) استاذ المکرّم قبلہ مفتی شیر خان صاحب، استاذی المکرّم قبلہ عبدالرزاق صدیقی، استاذی المکرّم قبلہ سیّد اقبال شاہ گیلانی اور استاذی المکرّم قبلہ محمد اکرم الازہری کی شفقتوں، محبتوں اور عنایتوں کا شکر گزار ہوں کہ جن کی وجہ سے آج میں اس قابل ہوا ہوں۔

والسلام/ احقر العباد

محمد عابد عمران انجم مدنی

فاضل بھیرہ شریف

۱۲/۰۹/۰۷

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين وافضل الصلاة وأكمل التسليم على سيّدنا محمد المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه الطيبين الطهرين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں ارشاد فرمایا:

"ان اوّل بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا وهدى للعالمين ○ فيه ايات بينات مقام ابراهيم ومن دخله كان امنا." (آلِ عمران:۹۷)

ترجمہ: "بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کیلئے (مرکز) ہدایت ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے

ایک) ابراہیم (علیہ السلام) کی جائے قیام ہے اور جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا"۔

تو وہ گھر عظمتوں والا، برکتوں والا، کثیر خیرات اور کثیر منافع والا ہے اس وجہ سے کہ اس کے پاس تسکین و رحمت کا نزول ہوتا ہے اور برائیاں اور خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کے شعائر کو بہت سی عظمتوں سے نوازا ہے اور اس کی تعظیم کو عظیم شہنشاہ حقیقی عزوجل کے سامنے دلوں کے تقویٰ کے قائمقام بنایا ہے۔ اور اس میں کثیر حکمتوں اور عظیم اسرار کے حصول کیلئے واضح نشانیاں ودیعت فرمائی ہیں جو کہ باقی رہنے والی ہیں۔

ان نشانیوں میں سے کہ جن کا مشاہدہ ہر وہ آدمی کرتا ہے جو خانہ کعبہ جانے کا شرف حاصل کرتا ہے ایک وہ مکرّم و معظم پتھر ہے جو کہ جنت سے اتارا گیا۔ اور وہ جنتی یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ اس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن اسے بندوں کی خطاؤں نے سیاہ کر دیا۔

وہ پتھر زمین پر اللہ تعالیٰ کے داہنے دستِ قدرت کے قائمقام ہے۔ طواف کرنے والے پتھر کو چھو کر اور بوسہ دے کر طواف کی ابتداء کرتے ہیں۔ کیونکہ اسے چھونا طواف کا شعار اور اس کا دیباچہ ہے۔

اس کی عظیم قدر و منزلت اور فضیلت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ اسے بہت سے اعزازات اور عنایات کریمانہ سے نوازتے تھے۔ اور اس کی عظمت و فضیلت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کے ارشادات ہیں علاوہ ازیں آپ ﷺ کا یہ فعلِ مبارک ہے کہ آپ ﷺ نے اسے چھوا اور بوسہ دیا۔ یقیناً نبی کریم ﷺ نے اسے اس کی تکریم اور اس کے حق کی تعظیم کیلئے بوسہ

دیا۔ تو اسے مزید شرف اور برکتیں حاصل ہوئیں۔ اس کی کثیر خیرات و برکات کی وجہ سے ملائکہ کرام اسے ہمیشہ گھیرے رہتے ہیں اور اسے بوسہ دینے اور چھونے کیلئے ہجوم کئے رہتے ہیں۔ جبکہ مومنین کے دل شدید محبت کے جذبات کے ساتھ اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔ دن اور رات کے ہر حصے میں وہاں ایسے اشخاص موجود رہتے ہیں جو اسے چھونے اور بوسہ دینے کے ساتھ اس کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کی برائیاں اور خطائیں معاف کی جائیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا گواہ اور سفارشی ہو۔

تو کتنا ہی خوش بخت ہے وہ آدمی جسے اس پتھر کو بوسہ دینا نصیب ہوا۔ اور اس کیلئے یہ کتنا عظیم شرف ہے۔ تو اسے اللہ تعالیٰ کی عطا کی مبارکباد ہو اور جو اسے عطا کیا گیا ہے اس کا فخر لوگوں کے مقابلے میں اس کیلئے کتنا ہی عظیم ہے۔

اس پتھر کے پاس آنسو بہائے جاتے ہیں، دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور حسرتیں مٹائی جاتی ہیں۔

اس میں عظیم سرِّ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر نہ ہی دورِ جاہلیت میں اور نہ ہی عہد اسلام میں اس کی پرستش کی گئی باوجود اس کے کہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کی گئی اور اسے بہت زیادہ بوسے دیئے گئے۔ تو تمام تعریفیں عظیم شہنشاہِ حقیقی عزوجل کو سزاوار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مکرم پتھر کو اپنے عظیم گھر کا ایک کونہ عطا فرمایا۔ وہ کونہ ان پہلی بنیادوں پر قائم ہے جنہیں نبی اللہ حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام نے تعمیر فرمایا۔

اس پتھر کی پچھلی طرف اور جو آدمی اس پتھر کو دیکھ رہا ہو اس کی دائیں جانب ایک اور عظیم الشان و بلند مقام پتھر ہے۔ وہ بھی جنتی یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے جان لیجئے! وہ پتھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔

وہ پتھر بھی جنت سے نازل ہوا۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ تعمیر فرما رہے تھے تو دیواروں کے بلند ہو جانے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کیلئے پتھر پکڑنے دشوار ہو گئے تو اس وقت وہ پتھر نازل ہوا۔ تب آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو پتھر پکڑاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہری نشانیاں رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نیچے نرم ہو گیا حتیٰ کہ اس میں آپ علیہ السلام کے قدموں کے نقوش رقم ہو گئے۔ اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بیت اللہ شریف کے معمار سیّدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے عمارت میں معمار کی کوئی علامت رقم ہوتا کہ اس کی موت کے بعد بھی اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنا ایسے ہی ہے جیسے بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والا اس معمار کے نام کی مالا جپ رہا ہے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام دوسری مرتبہ بھی اس مبارک پتھر پر کھڑے ہوئے جبکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ اذان دے کر لوگوں کو حج کیلئے بلائیں حتیٰ کہ جو اپنے والد کے صلب میں ہے اور جو اپنی ماں کے رحم میں ہے وہ بھی اسے سن لے۔

اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو بیت اللہ شریف کی باقی رہنے والی واضح نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فیه ایات بینٰت مقام ابراهیم"۔ (آلِ عمران:۹۷)

ترجمہ: اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی تکریم اور شرف کی بنا پر اسے بطور جائے نماز استعمال کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّٰی" (البقرۃ:۱۲۵)

ترجمہ: ”(اور حکم دیا) کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بنالو“۔

تو کتنا ہی قابلِ تعریف ہے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم۔ اور جو عظیم آیات و علامات اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت کی ہیں وہ کتنی ہی بہترین ہیں۔ تو مبارک ہو اس آدمی کو جسے ان سے لپٹنے، بوسہ دینے اور ان کے پاس قیام کی سعادت نصیب ہوئی۔ کوئی خوشبو ایسی نہیں جو ان مشاہد کی اور نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ انور کی خوشبو کی برابری کر سکے۔

گزشتہ تمام کا تمام حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے فضائل کے متعلق تھا۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں کہ جس کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آسان فرمایا ہے آپ مفصل و مدلل بیان پائیں گے۔ اور ان کی صفات، تاریخ اور وہ حوادث جو ان پر گزر چکے ہیں ان کی تفصیل کے ساتھ ساتھ ان کے خصائص اور علامات کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرنے اور دعا مانگنے کی برکتیں اور سلف صالحین کے وہ تمام واقعات جو اس کے پیچھے بیٹھ کر انہوں نے سمجھے ان کا ذکر بھی ہوگا۔

پھر مذاہب فقہیہ اربعہ کے مطابق ان دونوں کے متعلق احکام فقہیہ کا تفصیلی بیان اور ہر قول کی دلیل اور حجت بھی ساتھ ہی بیان کی جائے گی۔ علاوہ ازیں وہ اہم فقہی فروعات جو استلام (بوسہ دینا) اور رکن یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق ہیں وہ بھی ساتھ ملائی گئی ہیں۔

پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مقدس میں، آپ ﷺ کے زمانہ سے پہلے اور بعد میں مقام ابراہیم کس جگہ تھا اس کے متعلق علماءِ کرام کے بہت سے اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ان کی تفصیلی دلیلیں اور بحث و تمحیص بھی ذکر کی گئی ہے۔

حجرِ اسود کے متعلق بیان کا خاتمہ ان عمدہ اشعار کے ساتھ کیا ہے جو اس کی مدح اور فضیلت کے بیان میں ہیں۔

حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی موجودہ تعمیر، ان میں کی گئی تجدیدات و ترمیمات اور ان پر چڑھائے گئے سونے چاندی کے متعلق اہتمام کے ساتھ کچھ بیان نہیں کیا گیا تا کہ قاری اس چیز میں مشغول نہ ہو جائے جس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے۔ اور اللہ رب العزت ہی خیر اور ثواب کی توفیق عنایت فرمانے والا ہے۔

میں نے اس کتاب کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان دونوں سے پہلے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور جو ان کے متعلق طبع شدہ اور مخطوط کتابیں تالیف کی گئی ہیں ان کے بارے میں مقدمہ ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم حجرِ اسود اور رکن یمانی کے متعلق کئے گئے کالم کے ساتھ خاص ہے اور دوسری قسم مقام ابراہیم کے بارے میں ہے۔ علاوہ ازیں ہر قسم مختلف ابواب اور فصول پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا نام میں نے ''فضل الحجر الأسود و مقام ابراہیم'' رکھا ہے۔

حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے متعلق لکھنے میں طریقۂ کار یہ تھا کہ میں نے ایسی کتابوں میں اپنی پوری کوشش صرف کی جو کہ مکہ مکرمہ کی تاریخ کے بارے میں لکھی گئیں چاہے وہ قدیم تھیں یا جدید، طبع شدہ تھیں یا مخطوطے کی شکل میں۔ علاوہ ازیں جو کچھ حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں تفسیر، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، شروحات احادیث، فقہ اور مناسک حج وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے اسے بھی تلاش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے موضوع کے متعلق بہت سے مخطوطات کا حصول میرے لئے آسان فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے احادیث مبارکہ، آثار اور اقوال کو ان کے قائلین اور مخرجین کی طرف منسوب کرتے ہوئے احادیث مبارکہ

کے درجہ کے بیان میں آئمہ کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سب کو میں نے ایک ترتیب کیساتھ جمع کیا ہے۔

وہ چیز جس نے مجھے حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے متعلق خاص طور پر لکھنے پر مجبور کیا وہ یہ تھی کہ میں نے ان دونوں کے متعلق الگ سے کوئی کتاب نہیں دیکھی کہ جس کی طرف رجوع کیا جانا اور حاصل کرنا آسان ہو اور ان دونوں سے متعلقہ موضوعات کو جامعہ ہو۔

ایک تو یہ بات تھی دوسری یہ کہ بہت سے حجاج کرام، عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے اور شہروں اور دیہاتوں سے آنے والے اللہ تعالیٰ کے وفود ان دونوں کے فضائل و اخبار سے ناواقف تھے۔ اس وجہ سے میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں نے ان دونوں کے متعلق اکٹھا لکھا ہے اور اسے ایک ہی کتاب میں جمع کر دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معزز پتھر جڑواں بھائی ہیں جنت سے اُترے ہیں اور بیت اللہ شریف کے پاس یہ دونوں دو عزیز پڑوسیوں کی مانند قرار پذیر ہیں۔ ظاہری طور پر تو یہ قرب تھا اب ان کے ساتھ احسان کا طریقہ یہ تھا کہ معنوی طور پر بھی ان دونوں کے درمیان رابطے کی توثیق کی جاتی اور ان کے درمیان تعلق کو مضبوط کیا جاتا۔

ایسے ہی ہر طواف کرنے والا ان دونوں کے درمیان اس طرح ربط پیدا کرتا ہے کہ ایک کو بوسہ دیتا ہے اور دوسرے کے پاس نماز ادا کرتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں ان کا ذکر اکٹھا کیا ہے۔

تو تمام تعریفیں اس اللہ ربّ العزت کیلئے ہیں جس نے میری اعانت فرمائی اور یہ کام میرے لئے آسان فرمایا۔ اور میں اس سے مزید فضل و کرم کا سوال کرتا

ہوں۔ پس اسی کیلئے شکر ہے اور اسی کیلئے ثناء ہے جو اس نے مجھ ناچیز پر انعام کیا اور مجھ حقیر کو عطا کیا جیسے ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور راضی ہو۔ ہم اس کی تعریفیں شمار نہیں کر سکتے۔ وہ ویسا ہی ہے جیسے اس نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

اس جگہ میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا نہیں بھولوں گا کہ میں بھی اور ہر لکھنے والا گزشتہ علماء کرام اور مصنفین عظام کے عیال ہیں۔ ہم لکھتے ہیں تو ان کے زندہ عطیات کی خیرات اور جو ان کے باقی ماندہ آثار اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے محفوظ فرمائے ہیں ان کو جمع کر لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ہماری طرف سے اور دینِ اسلام کی طرف سے ان کو بہتر جزاء عطا فرمائے۔

یہ چیز امام محمد بن یوسف کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۶ ہجری) نے شرح صحیح بخاری ''الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری'' کے مقدمہ میں اور دیگر گزشتہ شارحین نے ذکر کی ہے کہ:

''میں نے (گزشتہ علماء و مصنفین) ان کے درخشاں انوار کی چمک سے اقتباس کیا ہے ان کے جامع آثار کو تلاش کیا ہے۔ تو وہ ہی قابل اتباع اور بہترین نمونہ ہیں۔ ان سے اور ہمارے تمام اسلاف سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ انّ آئمہ کرام نے ان آثار کو حاصل کرنے کیلئے بیابانوں کی خاک چھانی۔ تمام لذات و شہوات کو ان کی خدمت کے درمیان بھلا دیا۔ دفاتر کے دفاتر چھان ڈالے۔ راتوں کو دواتوں سے گفتگو کی تو انہوں نے ان آثار کے ہار پرونے میں اپنے افکار کو مشغول رکھا، غیر مانوس اور نادر کلمات کو جاننے کیلئے اپنی عمر خرچ کر ڈالی اور ان کے عجائبات کو قید کرنے کیلئے دن رات ایک کر دیئے تب انہوں نے حاصل کیا اور پہنچایا، اصل بیان کی اور وضاحت کی، ایک

پلیٹ فارم تشکیل دیا اور بنیاد رکھی، جمع کیا اور اقسام بیان کیں، وضع کیا اور پختہ کی، تالیف وتصنیف کی، ترتیب وتدوین کی، تفریعات وابواب بندی کی اور صحیح چیزیں بیان کیں اور تنقیح کی۔

ان آئمہ کرام نے ان آثار کو تحریف وفساد سے بچایا اور ان کی ہر قسم کی لفظی غلطی، نقص اور زیادتی سے حفاظت کی۔ پھر جب بھی ان آئمہ کرام کیلئے یا ان آثار کیلئے کوئی ایسی چیز ظاہر ہوئی جس نے یہ سلسلہ روک دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ لوٹا دیا اور انہیں کامل اعانت و نصرت سے نوازا حتیٰ کہ وہ آثار ہم تک بالکل صاف گھاٹ سے اور بہترین چراگاہ سے پہنچے ان کے صحائف کے باغیچے صبح کے وقت سرسبز وشاداب ہوتے ہیں اور ان کے لطائف کے حوضوں سے چاشت کے وقت سیراب ہوا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے قابلِ فخر اقدار کو عظیم فرمائے، آخرت میں ان کے رتبہ کو بلند فرمائے اور ان کے درجات کو اعلیٰ علیین میں بلندی عطا فرمائے ان لوگوں کیساتھ جن پر اس نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین شہداء اور صالحین۔

(امام محمد بن یوسف کرمانی رحمۃ اللہ علیہ)

میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا طلبگار ہوں کہ جو میں نے لکھا اسے نفع بخش بنائے اور وہی میرا مددگار اور سہارا ہے اور وہی سوالیوں کی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔ اور اس بات کا بھی طلبگار ہوں کہ مجھے اس میں ایسا خلوص عنایت فرمائے جو میرے لئے آخرت میں چھٹکارے کا باعث بنے اور ایسی توفیق عنایت فرمائے جو سیدھی راہ پر چلانے والی ہو اور اس کتاب کو قبولیت سے نوازے۔ پس اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی سے حفاظت حاصل کی۔ وہی مجھے کافی ہے اور وہ بہترین

کارساز ہے۔ میں اس کتاب کے قارئین حضرات سے بھی اس بات کی امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ایسی دعائیں جن پر دعاؤں پر مقرر فرشتہ یہ الفاظ کہے کہ ''آمین! اور تیرے لئے بھی اسی کی مانند ہے''۔

ایسے ہی میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا بھی سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے مشائخ زندہ و مردہ مسلمین و مسلمات میں سے جن کا بھی ہم پر حق ہے ان سب کو بخش دے۔ بے شک وہ سننے والا، قریب اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔

والحمد للّٰہ ربّ العالمین وصلی اللّٰہ علی سیّدنا

محمد وعلی آلہ وصحبہ

وسلم تسلیمًا کثیرًا

از قلم

سائد بن محمد یحییٰ بکداش

مدینہ منورہ

بدھ ۹ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ

حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے متعلق وہ تالیفات جن سے استفادہ کیا

حجرِ اسود اور مقام ابراہیم نے مکہ مکرمہ کی تاریخ کی کتب میں بہت اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے جو فقط ان کی فضیلت اور رفعت شان کے باعث ہے۔ ان کتب میں ان کیلئے بہت سا حصہ ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی ﷺ اور فضائل وغیرہ کی کتابوں کی بھی حالت ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان کے متعلق کوئی الگ تصنیف ہے یا نہیں؟ تو ہمارے سابقہ علماء کرام نے ہر چیز کے متعلق قلم اٹھایا ہے اور تصنیف کیا ہے۔ خصوصاً مناسک حج اور ان پاکیزہ مقامات کے متعلق قلم اٹھایا ہے۔ جس نے اسے جان لیا سو جان لیا اور جو اس سے جاہل رہا سو جاہل رہا۔ اس وقت ان میں سے بہت سا ہم سے پوشیدہ ہے۔

عصرِ حاضر کا جہاں تک تعلق ہے تو ۱۳۷۷ھ میں کعبہ معظمہ کی چھت کی تجدید کے بعد اور حرم مکی کی توسیع کے دنوں میں اس فکر نے جنم لیا کہ کیا مطاف (وہ راستہ جس پر طواف کیلئے پیدل چلا جاتا ہے) کی توسیع کیلئے مقام ابراہیم کو اس کے مقام سے ہٹانا ٹھیک ہے۔ تو اس کے جواز میں بہت اختلاف ہوا۔ اس مسئلہ کے جواز

اور عدم جواز میں بہت سے رسائل تالیف کئے گئے۔ جن میں سے بعض کو قبولیت حاصل ہوئی اور بعض کو رد کر دیا گیا۔ اس بارے میں پہلا رسالہ الشیخ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۷۸ھ میں نکالا بعد ازاں بہت سے رسائل نکالے گئے۔ ان کا تفصیلی ذکر عنقریب آئیگا۔

۱۳۸۵ھ میں رابطۂ عالم اسلامی نے ایک قرارداد پیش کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مقام ابراہیم کو اسی جگہ رکھا جائے اور اس کے اوپر تعمیر کی گئی عمارت کو چھوٹا کر دیا جائے۔ یہ کام مطاف کی توسیع کیلئے کیا گیا جیسا کہ اس کی موجودہ شکل ہے۔

ذیل میں میں ان تالیفات کا ذکر کروں گا جن سے میں نے استفادہ کیا ہے وہ طبع شدہ تھیں یا مخطوطے (قلمی نسخہ) کی شکل میں تھیں اور حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے ساتھ خاص تھیں۔

۱۔قصۃ الحجر الاسود وزمزم وبدء شأنھما:

از ابوبکر محمد بن حسین بن عبداللہ الآجری (م ۳۶۰ھ مکہ مکرمہ)

اس کتاب کو ابن خیر اشبیلی نے اپنی ''فہرست'' کے صفحہ ۲۸۵ پر اور ڈاکٹر محمد حبیب الھیلہ نے اپنی جامع نافع کتاب ''التاریخ والمورخون بمکۃ'' کے صفحہ ۳۰ پر ذکر کیا ہے

۲۔رسالۃ فی الحجر الاسود والرکن الیمانی:

از امام علی القاری (م ۱۰۱۴ ہجری)۔ اس کتاب کا ایک نسخہ حلب کے مکتبہ احمدیہ پر دستیاب ہے۔

۳۔الید الاجود فی استلام الحجر الاسود:

از الشیخ عبداللہ عبدی البوسنوی البیرامی (م ۱۰۵۴ ہجری)۔ اس کتاب کا ذکر

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۲۰۵۰ پر کیا ہے۔

۴- العلم المفرد فی فضل الحجر الاسود:

از امام ابن علان محمد علی بن محمد صدیقی مکی (م ۱۰۵۷ ہجری)۔ محبی نے اس کا ذکر خلاصۃ الاثر جلد ۴ صفحہ ۱۸۷ پر کیا ہے۔

۵- رسالۃ فی الکلام علی الحجر الاسود:

۔ از شیخ احمد بن احمد الفرقاوی الفیومی الأزھری المالکی (م ۱۱۰۱ ہجری)

۶- رسالۃ مقامیۃ مکیۃ فی فضل المقام

قلمی نسخے کے صفحۂ اول پر اس کا یہی نام درج ہے۔ جبکہ صاحب کشف الظنون (۴۸۳/۱) نے اس کا نام "تمکین المقام فی المسجد الحرام" ذکر کیا ہے۔
از شیخ علی دده بن مصطفی البسوی (م ۱۰۰۷ھ)

۷- مقام ابراھیم علیہ السلام ھل یجوز تأخیرہ عن موضعہ عندالحاجۃ لتوسیع المطاف؟

از شیخ عبدالرحمن بن یحیٰ المعلمی الیمانی (۱۳۸۶ ہجری)۔ اس رسالہ میں انہوں نے مقام ابراہیم کو منتقل کرنے اور اسے اس کی جگہ سے ہٹانے کے جواز کو بیان کیا ہے۔

۸- نقض المبانی من فتوی الیمانی وتحقیق المرام فیما تعلق بالمقام:

از شیخ سلیمان بن عبدالرحمن بن حمدان (م ۱۳۹۷ھ)۔ اس کتاب میں عبدالرحمن المعلمی الیمانی کی کتاب کا رد کیا گیا ہے۔

۹- نصیحۃ الاخوان ببیان بعض مافی نقض المبانی لابن حمدان من الخبط والخلط والجھل والبھتان:

از شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ (م ۱۳۸۹ ہجری)۔ اس کتاب میں ابن حمدان

کی کتاب کا رڈ کیا گیا ہے۔

۱۰۔ الجواب المستقیم فی جواز نقل مقام ابراھیم:

از شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ۔

۱۱۔ تحقیق المقال فی جواز تحویل المقام:

از شیخ عبداللہ بن زید آل محمود (م ۱۴۱۷ ہجری)۔

۱۲۔ سبیل السلام فی ابقاء المقام:

از شیخ ابراہیم نیاس الکاولخی۔

۱۳۔ مقام ابراھیم علیہ السلام ونبذۃ عن تجمۃ ابراھیم الخلیل وتاریخ الکعبۃ المشرفۃ والمسجد الحرام وفضل مکۃ المکرمۃ

از شیخ محمد طاہر الکردی المکی (م ۱۴۰۰ ہجری)

۱۴۔ الاجلال والتعظیم فی مقام ابراھیم

از امام محمد بن محمد بن الجزری (م ۸۳۳ ہجری)۔

حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے متعلق لکھی گئیں یہ وہ کتابیں تھیں جن پر میں نے انحصار کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سابقین و موجودہ علماء کرام پر رحم فرمائے۔ انہیں کثیر ثواب عطا فرمائے ہماری طرف سے اور علمِ دین کی طرف سے انہیں بہتر جزا عطا فرمائے۔ انہیں کثیر ثواب عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان علماء کرام کی حفاظت فرمائے جو اسلام اور مسلمانوں کیلئے بہترین ذخیرہ ہیں۔ انہیں تقویت عطا فرمائے۔ اور ان کے سبب بندوں کو اور شہروں کو نفع عطا فرمائے۔

آمین! یا ربّ العالمین۔

پہلی قسم

فضیلت حجرِ اسود

اس قسم میں حجرِ اسود کا تاریخی تذکرہ، اس کی صفت اور خصائص کا تذکرہ، استلام حجر اسود و استلام رکن یمانی کے متعلق فقہی احکام اور حجرِ اسود کی مدح میں کہے گئے اشعار کا تذکرہ ہو گا۔

باب اول

حجرِ اسود کی تاریخ و معرفت

فصل اوّل

حجرِ اسود کی تاریخ

امام ازرقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبۂ مشرفہ تعمیر کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے۔[1] فرماتے ہیں کہ

''جب عمارت بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام مقام (وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے تھے۔) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب کرتے۔ آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ شریف کے اردگرد اس مقام کو پھیرتے رہتے۔ حتیٰ کہ حجرِ اسود والے موجودہ کونے تک پہنچ گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے کوئی پتھر دو جسے میں یہاں رکھوں اور وہ لوگوں کیلئے ایسی علامت ہو جس سے وہ طواف کی ابتداء کریں۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کیلئے پتھر تلاش کرنے چلے گئے۔ جب واپس لوٹے تو حضرت جبریل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حجرِ اسود پہنچا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رکن (حجرِ اسود) جبل ابی قبیس کو بطور امانت اس وقت

---

[1] اخبار مکہ ۱/۶۵، مستدرک للحاکم ۲/۲۹۲-۲۹۳ وصححہ ووافقہ الذہبی۔ ابن حجر فی الفتح ۶/۴۰۶۔

نوازا تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو ڈبو دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تو میرے خلیل کو میرا گھر تعمیر کرتے ہوئے دیکھے تو اس کیلئے اسے نکال دینا۔

فرماتے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو عرض کی: ابو جان! یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”یہ مجھے اس ذات نے بھیجا ہے جس نے مجھے تیرے پتھر کے سپرد نہیں کیا“۔ یہ جبریل علیہ السلام لائے ہیں۔

جب حضرت جبریل علیہ السلام نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر تعمیر فرمائی اس وقت یہ اپنی شدید سفیدی کی وجہ سے خوب چمک دمک رہا تھا۔ تو اس کے نور نے مشرق و مغرب اور یمن اور شام کو روشن کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ

”اس کا نور حرم شریف کے ہر ہر کونے کی انتہا تک کو منور کر رہا تھا“

پھر بیت اللہ شریف منہدم ہو گیا تو اسے عمالقہ نے تعمیر کیا پھر گر گیا تو جرہم قبیلہ نے تعمیر کیا۔ پھر منہدم ہوا تو اسے قبیلۂ قریش نے تعمیر کیا۔ جب انہوں نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا ارادہ کیا تو ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو آدمی سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہو کر ہمارے پاس آئے گا وہی اسے اس کے مقام پر رکھے گا۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

”فأمر بثوب فبسط ثم وضعه فيه ثم قال ليا خذ من كل قبيلة رجل من ناحية الثوب ثم رفعوه ثم اخذه رسول

اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فوضعه"

آپ ﷺ نے ایک کپڑا لانے کا حکم دیا اسے بچھایا۔ پھر حجرِ اسود کو اس کپڑے میں رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلے کا ایک آدمی اس کپڑے کا کونہ پکڑے۔ پھر انہوں نے کونے پکڑ کر اس کپڑے کو بلند کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حجرِ اسود پکڑ کر اسے اس کے مقام پر رکھا۔[1]

امام حاکم نے مستدرک میں یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ

جب قریش نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا ارادہ کیا تو ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ تلواروں کیساتھ لڑنے لگتے۔ تو ایک آدمی نے کہا کہ جو آدمی اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوتا ہے سب اس پر متفق ہو جاؤ۔

"فدخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالوا هٰذا الأمين"

تو نبی کریم ﷺ (سب سے پہلے) تشریف لائے۔ تو سب پکار اٹھے: یہ امین ہیں۔ اور دورِ جاہلیت میں وہ آپ ﷺ کو "الأمین" کے نام سے پکارتے تھے۔ ان سب نے کہا۔ اے محمد ﷺ! (فداك أبي وامّي) ہم آپ ﷺ سے راضی ہوئے۔ تو آپ ﷺ نے کپڑا منگوایا۔ (باقی واقعہ اسی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا۔)

یہ واقعہ پیر (سوموار) کے بابرکت دن میں پیش آیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"ولد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يوم الاثنين واستنبئ يوم

---

[1] ازرقی ۶۲/۱، مستدرک للحاکم ۴۵۸/۱ وصحّحہ ووافقہ الذہبی، سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف ۲۲۷/۱ دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۷/۲، ابن حجر فی الفتح ۴۴۲/۳۔

الاثنین وتوفی یوم الاثنین وخرج مهاجرا من مکة الی المدینة یوم الاثنین وقدم المدینة یوم الاثنین ورفع الحجر الاسود یوم الاثنین"[1]

نبی کریم ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے، پیر کے روز آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ پیر کے روز رحلت فرمائی، پیر کے روز مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کیلئے نکلے۔ پیر کے روز مدینہ منورہ پہنچے اور پیر کے روز حجرِ اسود کو بلند فرمایا (یعنی اسے اس کے مقام پر رکھا)۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ تعمیر کون سے سال ہوئی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بعثت نبوی ﷺ سے پندرہ سال پہلے ہوئی اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ جبکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ تعمیر کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال تھی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یہی قول زیادہ مشہور ہے۔[2]

☆......☆......☆......☆

---

[1] المسند ۲۷۷/۱، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۳۷/۱۲۔

[2] فتح الباری ۴۴۲/۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ۵۶/۲، السیرۃ النبویۃ للبیہقی ص ۳۲، ۳۳۔

فصل دوم

حجرِ اسود کو پیش آنے والے تاریخی حوادث

زمانہ ماضی میں حجرِ اسود کو بہت سے حادثات پیش آئے جو اس میں توڑ پھوڑ کا سبب بنے ان تمام حادثات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔ حتیٰ کہ حجرِ اسود کی نشانیوں اور خواص میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اترنے سے لے کر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اسے ضائع ہونے سے محفوظ فرمائے گا۔ باوجود اس کے کہ اسے ایسے بہت سے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے جن سے اس کے ضائع ہونے کا خدشہ تھا جیسا کہ طوفان وغیرہ۔[1]

ذیل میں وہ حادثات جو حجرِ اسود کو پیش آئے ان کو ان کے پیش آنے والے سالوں کی ترتیب سے ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ بیت اللہ شریف کو لگنے والی آگ کا حجرِ اسود پر اثر

بیت الحرام شریف میں دو دفعہ آگ لگی

۱۔ اسلام سے قبل قریش کے عہد میں پہلی دفعہ آگ لگی تو حجرِ اسود جل گیا اور اس کی سیاہی میں اضافہ ہو گیا۔

---

[1] العلم المفرد از ابن علان (قلمی نسخہ)

۲- دوسری مرتبہ عہدِ اسلام میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں آگ لگی جب حصین بن نمیر الکندی نے آپ کا محاصرہ کیا۔ اس وقت بھی حجرِ اسود جلا اور اس میں تین جگہ پھٹن ہوئی۔ حتیٰ کہ شعبہ بن زبیر نے چاندی کے ساتھ اسے مضبوط کیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رکنِ اسود کو مضبوط کر کے باندھا۔[1]

امیر المومنین ہارون الرشید کے دور میں حجرِ اسود پر موجود چاندی نرم پڑ گئی اور اپنے مقام سے ہلنے لگی حتیٰ کہ رکن اسود کے ٹوٹنے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ تو جب ہارون الرشید ۱۸۸ ہجری میں عمرہ کی ادائیگی کیلئے آیا تو اس نے اس کی درستگی کا حکم دیا۔ تو وہ پتھر جن کے درمیان حجرِ اسود تھا انہیں اکھاڑ کر اس کے اوپر اور نیچے سے سوراخ کر کے ان میں چاندی انڈیل دی گئی موجودہ دور میں اسی پر وہی چاندی موجود ہے۔[2] یہ واقعہ امام ازرقی کے زمانہ میں ۲۴۰ ہجری کے دوران پیش آیا۔

۲- قرامطہ کا حجرِ اسود کو اٹھا لے جانے کا واقعہ

پھر ۳۱۷ ہجری میں مسجد حرام میں قرامطہ کا حادثہ پیش آیا۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ قرامطہ کوفہ کی ایک بستی کے رہنے والے آدمی ''قرمط'' کی طرف منسوب ہیں۔ اس آدمی نے زندیقیت اور کفر صریح کی دعوت دی۔ یہ باطنیہ فرقے کے لوگ ہیں۔ اُس آدمی کو مکتفی باللہ عباسی نے ۲۹۳ ہجری میں واصل جہنم کیا۔[3]

قرامطہ میں سے اللہ کا دشمن بحرین کا بادشاہ ابوطاہر قرمطی سلیمان ابن ابی سعید تھا جس نے بیت اللہ شریف پر چڑھائی کی ۳۱۷ھ میں پیر کے روز یوم ترویہ

۱۔ الازرقی ۱/۶۵، الفاکہی ۱/۱۳۵۔
۲۔ الازرقی ۱/۳۴۵، الفاکہی ۱/۱۳۵
۳۔ المنتظم از ابن جوزی ۵/۱۱۰، الاعلام از زرکلی ۵/۱۹۵۔

یا سات ذوالحجہ کو اللہ کا دشمن ابوطاہر قرمطی اپنے نو سو ساتھیوں کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوا۔ اور حرم پاک میں حد سے زیادہ حجاج کرام کو قتل کیا اور ان کی لاشوں سے زمزم کا کنواں پُر کر دیا۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں اور اردگرد کے علاقے میں کم وبیش تیس ہزار افراد کو قتل کیا اور بہت سے قبیح افعال سرانجام دیئے۔

پھر وہ (لعین) حجرِ اسود کے پاس آیا اور گرز مار کر اسے توڑ ڈالا۔ پھر چار ذی الحجہ کو پیر کے روز نماز عصر کے بعد اسے اکھاڑ لیا۔ بعد ازاں اپنے شہر "ہجر" کی طرف لوٹ گیا اور اپنے ساتھ حجرِ اسود بھی لیتا گیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ اس کے پاس حج ادا کیا جائے لیکن وہ بھی ابراہہ الاشرم کی طرح خائب وخاسر ہوا۔

کہا گیا ہے کہ حجرِ اسود کو منتقل کرنے کے دوران اس کے نیچے چالیس اونٹ ہلاک ہوئے اور جب اسے واپس لایا گیا تو ایک کمزور سے اونٹ پر رکھا گیا تو (اس کی برکت سے) وہ موٹا ہو گیا۔

کعبۂ معظمہ سے حجرِاسود کا مقام خالی ہو گیا۔ یہاں تک کہ اسے دوبارہ کعبۂ معظمہ میں واپس لایا گیا لوگ اس جگہ تبرّک حاصل کرنے کیلئے ہاتھ رکھتے تھے۔ حجرِ اسود بروز منگل یوم نحر کو ۳۳۹ ہجری میں واپس لایا گیا۔ ایسا اس وقت ممکن ہوا جب ۳۳۲ ہجری میں ابوطاہر قرمطی جہنم واصل ہوا۔ سنبر بن حسن قرمطی اسے مکہ مکرمہ واپس لے کر آیا اور اسے کعبۂ معظمہ کے صحن میں رکھا۔ اس کے ساتھ امیر مکہ تھا۔ حجرِ اسود پر طولاً وعرضاً چاندی کی کڑیاں چڑھائی گئی تھیں جنہوں نے اس پھٹن کو مضبوط کیا ہوا تھا جو اس کے اکھاڑنے کے بعد ہوئی تھی۔ سنبر قرمطی اپنے ساتھ چونہ بھی لایا جس کے ساتھ چیزیں مضبوط کی جاتی ہیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھا اور کاریگر نے اسے چونے کے ساتھ مضبوط کیا۔ جب وہ اسے واپس لے کر آیا تو اس نے کہا کہ ہم اسے اللہ تعالیٰ کی

قدرت کے ساتھ لے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اسے واپس لائے ہیں۔

لوگوں نے حجرِ اسود کی زیارت کی۔ غور و تامل کیا اور بوسہ دیا، استلام کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

قرامطہ کے پاس حجرِ اسود چار دن کم بائیس سال رہا۔[1]

۳- رومی عیسائی آدمی کے فعل شنیع کے سبب حادثہ ۳۶۳ھ

ابن فہد مکی نے ۳۶۳ھ کے واقعات میں سے ایک واقعہ اپنی کتاب ''اتحاف الوریٰ باخبار ام القریٰ'' میں نقل کیا ہے۔[2] فرماتے ہیں کہ۔

لوگ شدید گرمی کے وقت دوپہر کو سو رہے تھے۔ اور ایک یا دو آدمی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو ایک آدمی جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے سر پر چادر لپیٹی ہوئی تھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا حتیٰ کہ وہ حجرِ اسود کے قریب ہوا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا کیا ارادہ ہے۔ اس نے گینتی سے حجرِ اسود پر شدید چوٹ لگائی حتیٰ کہ اس سے پیدا ہونیوالی آواز کو پست رکھا۔ پھر دوسری مرتبہ چوٹ لگانے کے لئے ہاتھ بلند کیا تو ایک بہادر یمنی آدمی جو طواف میں مشغول تھا اس نے اسے دیکھ لیا اور جلدی سے اس کے پاس جا کر اسے خنجر مار کر گرا دیا۔ اتنے میں مسجد کے گرد و نواح سے لوگ آ گئے اور اسے دیکھا تو وہ ایک رومی آدمی تھا جو ملک روم سے آیا تھا۔ اس سے حجرِ اسود کو ضائع کرنے پر بہت سے مال کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے پاس ایک بہت بڑی تیز دھار گینتی تھی جسے بہت مضبوط قسم کے فولاد سے بنایا گیا تھا۔ وہ مردود جو حجرِ اسود کو ضائع کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا اسے جہنم واصل کر

---

[1] المنتظم از ابن جوزی ۶/۲۲۲، فوات الوفیات ۲/۶۰، سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۲۰، شفاء الغرام ۱/۱۹۳۔

[2] اتحاف الوریٰ ۲/۴۱۰۔

دیا گیا۔

ابن فہد فرماتے ہیں کہ اسے مسجد سے باہر نکالا گیا۔ بہت سی لکڑیاں جمع کی گئیں اور اسے آگ میں جلا دیا گیا۔

۴۔ ۴۱۳ھ میں پیش آنے والا واقعہ

ابن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۱۳ھ کے واقعات میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ امام ذہبی، ابن جوزی اور ابن اُثیر نے بیان کیا ہے کہ۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا جس دن پہلا اجتماع ہوتا ہے۔ لوگ ابھی تک مقام منیٰ سے نہیں لوٹے تھے۔ تو وہ ملحدین جنہیں حاکم عبیدی نے مصر میں گمراہی کے راستے پر ڈالا تھا اور ان کی دیانتداری کو برباد کیا تھا ان میں سے ایک ملحد لمبے تڑنگے جسم والا تھا اس نے ایک ہاتھ میں تلوار سونتی ہوئی تھی اور دوسرے میں گینتی پکڑی ہوئی تھی جب امام صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو اس ملحد نے حجرِ اسود کا قصد کیا گویا کہ اسے بوسہ دینے جا رہا ہے۔ اس نے گینتی کے ساتھ حجرِ اسود پر لگاتار تین چوٹیں لگائیں تو درمیان سے حجرِ اسود بوسیدہ ہو گیا اور ان ضربوں سے حجرِ اسود چھل گیا اور اوپر تلے تین جگہ پھٹن ہوئی۔ گویا تین سوراخ ہوئے کسی سوراخ سے چیونٹی نہ گزر سکتی تھی۔ وہاں سے ناخنوں کی مانند تین ٹکڑے گرے۔ اور اس میں دائیں بائیں پھٹن (لکیر) ہو گئی اور جو ٹکڑے نکلے وہ گندمی رنگت کے تھے۔

اس ملحد خبیث نے کہا کہ کب تک حجرِ اسود کو پوجا جاتا رہے گا؟ نہ ہی (سیدنا) محمد ﷺ ہیں اور نہ ہی (حضرت) علی رضی اللہ عنہ ہیں جو مجھے اس فعل سے باز رکھیں۔ میں آج اس بیت اللہ کو اور اس حجرِ اسود کو گرانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حاضرین کی اکثریت اس سے بچنے لگی، خوفزدہ ہونے لگی اور دور دور ہٹنے لگی قریب تھا کہ وہ بھاگ جاتا اور اس کی مدد کے لیے مسجد کے دروازے پر دس گھڑ

سوار بھی تھے تو ایک یمنی یا مکی آدمی نے اچانک اس پر حملہ کر کے اس پر خنجر سے وار کیا اور لوگوں نے اسے گھیرا اور قتل کر دیا۔ پھر سب نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا۔

اس قبیح فعل میں جو اس کے ساتھی اور مددگار تھے انہیں بھی قتل کر کے آگ میں جلا دیا گیا۔ ان میں جو ظاہر ہوئے وہ بیس سے زیادہ تھے اور جو چھپ گئے وہ اس کے علاوہ تھے۔

حجرِ اسود دو دن اسی حالت پر رہا۔ بعد ازاں بنی شیبہ (قبیلہ) والوں نے اس سے گرنے والا جو ٹکڑا پایا اسے جمع کر لیا اور کستوری اور تارکول میں انہیں گوندھا اور پھٹن کو پُر کر دیا۔[1]

۵۔ ۹۹۰ھ میں پیش آنے والا واقعہ

امام ابن علان نے یہ واقعہ اپنی کتاب "العلم المفرد فی فضل الحجرِ الاسود" میں نقل کیا ہے کہ۔

۹۹۰ھ کے عشرے میں ایک عراقی عجمی آدمی آیا۔ اس نے حجرِ اسود پر گینتی سے چوٹ لگائی۔ بیت اللہ شریف کے پاس امیر ناصر جاوش موجود تھے۔ انہوں نے اس عجمی پر خنجر سے وار کر کے اسے قتل کر دیا۔[2]

۶۔ ۱۳۵۱ھ میں حجرِ اسود کو پیش آنے والا حادثہ

الشیخ حسین باسلامہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ

قابلِ ذکر واقعہ جو عصرِ حاضر میں ماہ محرم کے آخر میں ۱۳۵۱ھ کو پیش آیا وہ یہ ہے کہ افغانستان سے ایک آدمی آیا اس نے حجرِ اسود کا ایک ٹکڑا اکھاڑ لیا، خانہ کعبہ

[1] اتحاف الوری ۲/ ۴۴۸، شفاء الغرام ۱/ ۱۹۴

[2] العلم المفرد لابن علان۔ تاریخ الکعبۃ از باسلامۃ ص ۱۵۷۔

کے پردوں سے ایک ٹکڑا چرا لیا اور بئر زمزم اور باب بنی شیبہ کے درمیان والے خانہ کعبہ کے راستے سے چاندی کا ایک ٹکڑا چرا لیا۔ مسجد کے چوکیدار کو پتہ چل گیا تو انہوں نے اسے باندھ لیا پھر اسے وہی سزا دی گئی جو اس سے پہلے حجرِ اسود کو اکھاڑنے، توڑنے یا چرانے والوں کو دی گئی تھی۔

پھر ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ کو شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود طائف میں موسم گرما گزارنے کے بعد الریاض جانے سے پہلے بیت اللہ شریف حاضر ہوئے اور کچھ اور اشخاص حاضر ہوئے۔ پھر سپیشلسٹ حضرات نے کستوری اور عنبر ملا کر ایک کیمیائی مرکب تیار کیا تا کہ اس ٹکڑے کو مضبوطی سے لگایا جا سکے۔ پھر انہوں نے اسے دوبارہ اس کی جگہ پر لگا دیا۔[1]

زمانہ ماضی میں حجرِ اسود کے اردگرد بہت سی کڑیاں چڑھائی گئیں۔ سب سے آخر میں شاہ سعود بن عبدالعزیز آل سعود نے بروز بدھ بائیس شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ میں وہ پرانی کڑی جسے سلطان محمد رشاد خان نے ۱۳۳۱ھ میں نصب کیا تھا اسے اکھاڑ کر حجرِ اسود پر خالص چاندی سے بنائی گئی کڑیاں چڑھائیں۔ اس وقت شاہ سعود کے ساتھ الشیخ محمد طاہر کردی نئی کڑیاں ہاتھ میں لے کر کھڑے تھے تا کہ شاہ سعود انہیں حجرِ اسود پر نصب کرے۔[2]

☆......☆......☆......☆......☆

---

[1] تاریخ الکعبۃ از باسلامۃ ص ۱۵۸۔
[2] الازرقی ۱/۳۲۸

فصل سوم

حجرِ اسود کی معرفت اور صفت ورنگت کا تذکرہ

حجرِ اسود وہ مبارک پتھر ہے جو جنت سے نازل ہوا جیسا کہ عنقریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث میں آئے گا۔ یہ پتھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام کو عطا کیا گیا تا کہ آپ علیہ السلام اسے کعبۂ معظمہ کے اسی کونے میں گاڑ دیں جس سے طواف کی ابتدا کی جاتی ہے۔ وہ کونہ کعبۂ معظمہ کی جنوب مشرقی سمت میں ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس پتھر کو ''رکن'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس کا رنگ دودھ اور اولوں سے بھی زیادہ سفید تھا لیکن مشرکین کی خطاؤں سے سیاہ پڑ گیا۔ اس کی پیمائش ایک ذراع (گز یا بازو کی مقدار) ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی اثر میں آیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''حجرِ اسود دودھ سے زیادہ سفید تھا اور اس کی لمبائی ایک ذراع تھی''[1]

اسے خانہ کعبہ میں گاڑا گیا ہے اور اس کا وہی سرا ظاہر ہے جو مشرکین کی خطاؤں سے سیاہ پڑ گیا ہے۔ جو حصہ خانہ کعبہ میں گاڑا گیا ہے اس کی رنگت سفید ہی ہے۔

---

[1] الازرقی ۳۲۸/۱

الفاکھی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ شریف کو ڈھایا تو میں نے دیکھا کہ جتنا حجرِ اسود بیت اللہ شریف کے اندر تھا اس کی رنگت سفید تھی۔[1]

جب ۳۳۹ھ میں قرامطہ نے حجرِ اسود واپس لوٹایا تو میں نے اسے اس کے مقام پر رکھے جانے سے پہلے دیکھا تو میں نے دیکھا کہ وہ صرف اوپر سے سیاہ تھا باقی تمام سفید تھا اور اسکی لمبائی ایک ذراع کی مقدار تھی۔[2]

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اس کا ظاہری حصہ ہی کیوں سیاہ ہوا۔ جو خانہ کعبہ میں گڑا ہوا تھا وہ کیوں نہیں ہوا؟

جواب: اس کے متعلق کوئی خاص چیز تو مجھے نہیں ملی لیکن شاید اس کا سبب یہ ہو کہ اسلام سے قبل مشرکین کے ہاتھ جس حصے کو چھوتے رہے وہ ظاہری حصہ ہی تھا نہ کہ وہ حصہ جو کہ خانہ کعبہ میں گڑا ہوا ہے۔

امام حلبی اپنی سیرت ''انسان العیون'' میں فرماتے ہیں کہ:

حجرِ اسود کا وہ سیاہ پن جو مشرکین کی خطاؤں سے پیدا ہوا تھا اس میں اس آگ سے اضافہ ہوا جو پہلی مرتبہ قریش کے زمانہ میں (بیت اللہ میں) لگی تھی اور دوسری مرتبہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں۔[3]

پھر جب ۱۰۳۹ھ میں بہت بڑے سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کو گرایا گیا تو اس کی تعمیر کے وقت جو لوگ موجود تھے ان میں سے ایک امام ابن علان مکی بھی ہیں۔ آپ نے تعمیر کے تمام مراحل کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ حجرِ اسود کے عینی مشاہدے کو آپ نے اس طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] اخبار مکۃ ۹۲/۱

[2] الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ ص ۵۷

[3] السیرۃ الحلبیۃ (انسان العیون) ۱۵۷/۱۔

کعبہ کی عمارت میں حجرِ اسود کا جتنا حصہ پوشیدہ ہے اس کی رنگت مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پتھر جیسی سفید ہے اور اس کی لمبائی بازاری گز کے نصف گز کے برابر ہے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ بالشت بنتی ہے جو لوگوں کے بازو کی لمبائی کے برابر ہو جاتی ہے اور چوڑائی ایک گز کا تہائی حصہ ہے جبکہ بعض جگہ ایک قیراط کم ہے۔ جبکہ موٹا تقریباً چار قیراط ہے۔ اس کے اوپر چاندی کے حلقے ہیں۔

ابن علان مکی فرماتے ہیں کہ:

حجرِ اسود میں تقریباً تیرہ (۱۳) جگہ پھٹن ہے۔ ان میں سے چار بڑی ہیں جبکہ باقی ان کی نسبت چھوٹی ہیں۔ ایک ایسا مرکب تیار کیا گیا ہے جس کے ساتھ یہ اجزاء حجرِ اسود کے ساتھ چمٹائے جاتے ہیں۔[1]

مورخ محمد طاہر الکردی (م ۱۴۰۰ ہجری) فرماتے ہیں کہ:

ہمارے زمانے یعنی چودھویں صدی ہجری کے وسط میں حجرِ اسود میں سے جتنا حصہ ظاہر ہے۔ جسے ہم بوسہ دیتے اور استلام کرتے ہیں وہ مختلف حجم کے آٹھ چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ ان میں سے بڑا ٹکڑا ایک کھجور جتنا ہے (یعنی چھوہارے جتنا نہ کہ کھجور کے درخت جتنا) یہ ٹکڑے اس وقت گرے تھے جب زمانہ ماضی میں بعض جاہلوں اور سرکشوں نے حجرِ اسود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ظاہری ٹکڑوں کی مقدار پندرہ تھی۔ بعد ازاں حجرِ اسود کے حلقے میں کی جانے والی درستگی کی وجہ سے یہ مقدار کم ہوگئی۔ تو جو ٹکڑا ابھی نرم پڑتا اسے موم، کستوری اور عنبر کے ساتھ گوندھ کر حجرِ اسود پر اس کے مقام پر رکھ دیا جاتا تھا۔[2]

---

[1] العلم المفرد (قلمی نسخہ)۔ التاریخ القویم ۳/۲۲۰، ۲۲۸۔

[2] التاریخ القویم ۲/۲۹۴۔

تنبیہ

گزشتہ بیان سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت کا چاندی کے حلقے کا اندونی حصہ زیادہ تر حجرِ اسود نہیں ہے۔ بلکہ حجرِ اسود تو ایک ذراع ہے جو خانہ کعبہ کے اندر گاڑ دیا گیا ہے۔ اور اس کا سیاہ سرا گزشتہ زمانے میں ٹوٹ چکا ہے۔ اور جو سرا باقی ہے وہ آٹھ ٹکڑے ہیں جنہیں سیاہ آمیزے میں گوندھ کر چاندی کے حلقے کے اندر لگا دیا گیا ہے جیسا کہ مورخ الشیخ محمد طاہر کردی نے ذکر کیا ہے۔

لہٰذا جو آدمی حجرِ اسود کو بوسہ دینا چاہتا ہو اس کو ان آٹھ ٹکڑوں کا دھیان رکھنا چاہئے جو کہ اس سیاہ آمیزے کے درمیان میں لگائے گئے ہیں۔ اور یہ ایسی چیز ہے جو اکثر لوگوں سے مخفی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ چاندی کے حلقے کے اندر ہے وہ سارے کا سارا حجرِ اسود ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

حجرِ اسود کے خطاؤں سے سیاہ ہونے اور نیکیوں سے سیاہی ختم نہ ہونے میں حکمت

امام محب طبری بیان کرتے ہیں کہ

بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشرکین کی خطاؤں سے تو یہ پتھر سیاہ ہو جائے اور اہلِ ایمان کی توحید سے سفید نہ ہو؟

جواب: اس سوال کا جواب تین طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

i- پہلا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ کے ضمن میں دیا جا سکتا ہے، روایت کیا:

"ان اللّٰہ انما طمس نورہ لیستر زینتہ عن الظلمۃ"[1]

---

1. حجۃ اللہ البالغۃ از شاہ ولی اللہ دہلوی ۲/۲۵، فیض القدیر ۲/۳۴۳۔

اللہ تعالیٰ نے اس (حجرِ اسود) کے نور کو بجھا دیا تا کہ اس کی زیب و زینت کو ظالموں سے پوشیدہ رکھے۔

گویا جب اس کی صفت زینت کو سیاہی سے بدل دیا تو یہ سیاہ پن اس کیلئے ایک ایسا حجاب ہو گیا جو اس کے دیکھے جانے کو روکتا ہے اگرچہ اس کا جسم نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ اس پر غیر مرئی (دکھائی نہ دیا جانے والا) ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جیسا کہ وہ عورت جس نے کپڑے کے ساتھ جسم چھپایا ہوا ہو اس پر غیر مرئی ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

ii- دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا تو ہو جاتا۔ اور اعتراض کرنے والا یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت بنائی ہے کہ سیاہ پن رنگا تو جا سکتا ہے خود بخود اس پر رنگ نہیں چڑھ سکتا جبکہ سفید پن خود بخود سیاہ تو ہو سکتا ہے لیکن سیاہ سے پھر سفید نہیں ہو سکتا۔

iii- یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا سیاہ پن باقی رہنا اس اعتبار سے ہے کہ یہ معلوم ہو کہ جب خطائیں پتھر میں اس طرح اثر کرتی ہیں تو دلوں پر تو بہت زیادہ اثر کرتی ہوں گی۔[1]

---

[1] القری ص ۲۹۵۔ تاویل مختلف الحدیث از ابن قتیبہ ص ۱۹۵۔

باب دوم

حجرِ اسود کے فضائل

حجرِ اسود دستِ قدرت ہے

امام زرقی اور ابن ابی عمر نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"ان هذا الركن يمين الله في الارض يصافح بها عباده مصافحة الرجل اخاه"[1]

"حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں سے اس طرح مصافحہ کرتا ہے جیسے کوئی آدمی اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف اس روایت کا حکم مرفوع روایت جیسا ہے۔ اس میں رائے یا اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

---

[1] اخبار مکہ از الازرقی ۱/۳۲۴ یحییٰ بن سلیم مکی کے طریق سے۔ اس روایت کے راوی یحییٰ کی ثقاہت میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر "الفتح ۴/۴۱۸" میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ میں کلام اس وقت ہوتا ہے جب یہ عبید اللہ بن عمر سے روایت کریں۔ اس روایت میں ایسا نہیں ہے۔ حواشی الکاشف الذہبی ۲/۳۶۷، المطالب العالیہ لابن حجر ۱/۳۳۹، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ موقوف جید ہے۔ بوصیری نے اتحاف الخیرۃ المہرۃ (قلمی نسخہ) میں ذکر کیا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ جیسا کہ ان سے یہ چیز الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی نے المطالب العالیہ پر اپنی تعلیق میں نقل کیا ہے۔

اس موقوف روایت کے اور بھی شواہد ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

i- حمید بن ابی سویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ہشام کو دوران طواف حضرت عطاء بن ابی رباح سے رکنِ یمانی کے متعلق سوال کرتے ہوئے سنا۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وكّل به سبعون ملكا فمن قال اللهم انى اسألك العفو والعافية في الدنيا و الأخرة، ربنا اتنا فى الدنيا حسنة وفى الأخرة حسنة وقنا عذاب النار قالوا امين!"۔

"اس کے پاس ستر فرشتے مقرر کئے گئے ہیں تو جو یہ دعا مانگے کہ اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے ہمارے پروردگار۔ ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ تو وہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔

پھر جب وہ رکن اسود کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے ابومحمد! اس رکن اسود کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ تو حضرت عطاء نے فرمایا۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان فرمایا: کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"من فاوضه فانما يفاوض يد الرحمٰن"۔ الحديث[1]

"جو اس سے ملاقات کرتا ہے وہ ربِّ رحمٰن کے دستِ قدرت سے

[1] ابن ماجہ نے اسماعیل بن عیاش سے حمید بن ابی سویہ کے طریق سے روایت کیا۔ کتاب المناسک باب فضل الطواف ۲/۹۸۵، منذری نے الترغیب والترہیب ۲/۱۹۲ میں نقل کیا ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے اسے حسن کہا ہے۔

ملاقات کرتا ہے"۔

ii- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یأتی الرکن یوم القیامة اعظم من أبی قبیس له لسان وشفتان یتکلم عن استلمه بالنیة وهو یمین الله یصافح بها خلقه"۔[1]

"قیامت کے دن حجرِ اسود اس حالت میں آئے گا کہ وہ ابی قبیس نامی پہاڑ سے بڑا ہوگا۔ اس کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے۔ اور جس نے خلوصِ نیت سے اسے بوسہ دیا ہوگا اس کی طرف سے یہ کلام کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دایاں دستِ قدرت ہے جس کے ساتھ وہ اپنی مخلوق سے مصافحہ فرماتا ہے"۔

۲- حجرِ اسود جنتی یاقوت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنة ولولا أن الله طمس نورهما لأضاء تا ما بین المشرق و المغرب"[2]

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۱، المستدرک ۱/۴۵۷۔ ذہبی نے اپنی "تلخیص" میں کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن مؤمل واہی ہے۔ بیہقی نے "الاسماء والصفات" میں اسے ضعیف جبکہ ابن حبان نے ثقہ اور ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کی حدیث معتبر ہے۔

[2] صحیح ابن حبان (الاحسان) ۹/۲۴، صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۹، سنن الترمذی۔ کتاب الحج باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن والمقام ۳/۲۲۶، المستدرک للحاکم ۱/۴۵۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۷۵، مصنف عبدالرزاق ۵/۳۹، الازرقی ۲/۲۹، الفاکہی ۱/۴۴۰۔ امام نووی "المجموع ۸/۳۶" میں فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے اسے صحیح اسناد کے ساتھ امام مسلم کی شرائط کے مطابق روایت کیا ہے۔

"رکن اور مقام جنتی یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو بجھایا ہوا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن کر دیتے"۔

اس حدیث مبارکہ میں "رکن" سے مراد حجرِ اسود اور "مقام" سے مراد مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔

امام بیہقی نے اس طرح روایت کیا ہے کہ:

"لولا مامسهما من خطايا بني آدم لا ضاء امابين المشرق والمغرب وما مسهما من ذی عاهة ولا سقيم الاشفي"[1]

"اگر بنی آدم کی خطائیں اسے نہ چھوتیں تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دیتے اور جو بھی آفت رسیدہ اور بیمار اسے چھو لیتا شفایاب ہوتا"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ان الركن والمقام من الجنة"[2]

حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنت سے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"ليس في الارض من الجنة الا الركن الاسود والمقام فانهما جوهرتان من جوهر الجنة ولو لا ما مسهما من اهل الشرك ما مسهما ذوعاهة الأشفاه الله"[3]

---

[1] السنن الکبریٰ ۷۵/۵۔ امام نووی نے المجموع میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔

[2] الازرقی ۲۲۲/۱، ۲۹/۲۔ یہ موقوف روایت بھی حکماً مرفوع ہے۔

[3] الازرقی ۲۲۲/۱، ۲۹/۲۔

''جنتی چیزوں میں سے زمین پر حجرِ اسود اور مقام ابراہیم ہی ہے کیونکہ یہ دونوں جنتی جواہر میں سے جوہر ہیں اگر انہیں مشرکین نے نہ چھوا ہوتا تو جو بھی آفت رسیدہ اسے چھوتا اللہ اسے شفا عطا فرما دیتا''۔

۳۔ حجرِ اسود کا جنت سے زمین پر اترنا، اس کا نورِ عظیم اور دوبارہ جنت میں جانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نزل الحجر الاسود من الجنة وهو اشد بياضا من اللبن فسودته خطايا بني آدم"[1]

''حجرِ اسود جنت سے اترا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا''۔

امام احمد نے مسند میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

نزل الحجر الاسود من الجنة فكان اشدّ بياضا من الثلج حتّى سوّدته خطايا اهل الشرك۔[2]

حجرِ اسود جنت سے اترا تو برف سے زیادہ سفید تھا۔ مشرکین کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا۔

جبکہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"الاشدّ بياضا من الفضة۔"[3]

یعنی چاندی سے زیادہ سفید تھا۔

---

[1] الترمذی ۳/۲۲۶، صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۰۔

[2] مسند احمد ۱/۳۰۷، ۳۲۹۔

[3] الأزرقی ۱/۳۲۲، الفاکہی ۸۹۱۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”نزل جبريل بهذا الحجر الاسود من الجنة. فتمتعوا به فانكم لا تزالون بخير ما دام بين اظهركم فإنه يوشك أن يأتي يوم فيرجع به من حيث جاء به“[1]

”جبریل علیہ السلام یہ پتھر (حجرِ اسود) جنت سے لے کر نازل ہوئے۔ تو اس سے فائدہ حاصل کرو۔ کیونکہ جب تک یہ تمہارے درمیان موجود ہے تم خیر سے رہو گے۔ قریب ہے کہ وہ دن آ پہنچے جس دن یہ جہاں سے آیا تھا وہاں واپس چلا جائے“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

”الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة واليها يصيران ولو لامامس هذا الركن من الأنجاس، لأبرأ الأكمه والأبرص“[2]

”رکن اور مقام جنتی یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر اس (رکن) کو ناپاکیوں نے نہ چھوا ہوتا تو یہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتا“۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، فرماتے ہیں:

”ان الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة نزلا من السماء لهما نور فلما وضعا في الارض طفئي نور هما ولولا ما

---

[1] ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے کہ اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ”رجال الصحیح“ ہیں۔

[2] الفاکہی ۱/۴۴۴۔

اَطفأ اللّٰہ من نور ھما لأ ضاء اما بین السماء والارض، آنس اللّٰہ تعالٰی بھما آدم علیہ السلام فکانا یتلأ لأن تلألؤا من شدۃ بیا ضھما"

"رکن اور مقام جنتی یا قوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ آسمان سے اُتارے گئے ان کا ایک خاص نور تھا۔ جب انہیں زمین پر اتارا گیا تو ان کا نور بجھا دیا گیا۔ اگر اللہ تعالٰی ان کا نور نہ بجھاتا تو یہ زمین اور آسمان کے مابین ہر چیز کو روشن کر دیتے اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی وحشت دور کی۔ یہ اپنی حد درجہ سفیدی کی وجہ سے ٹمٹماتے تھے"۔

"وأخذ آدم الرکن فضمه الیه استئنا سا به ولو لا ما طبع اللّٰہ عزوجل من أیدی الجاھلیة لأ برأ الأکمه والأبرص"[1]

حضرت آدم علیہ السلام نے رکن کو پکڑ کر اپنی وحشت دور کرنے کے لئے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اور اگر اللہ تعالٰی نے عہد جاہلیت کے لوگوں کے ہاتھوں سے اس پر مہر نہ لگوائی ہوتی تو یہ اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ:

"نزل الرکن والمقام مع آدم علیه السلام لیلة نزل بین الرکن والمقام فلما أصبح رأی الرکن والمقام فعرفھما فضمھما اِلیه وأنس بھما"[2]

---

1. الفاکھی ا/۴۴۳۔ الدرالمنثور ا/۱۱۹۔
2. الأزرقی ا/۳۲۵۔

"رکن اور مقام حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی زمین پر اس رات اترے جس رات آپ زمین پر اترے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے رکن اور مقام دیکھا۔ تو انہیں پہچان کر اپنے ساتھ لپٹا لیا اور ان سے انس حاصل کیا"۔

حضرت مجاہد سے مروی ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ:
حضرت وھب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، فرماتے ہیں:

"ان الرکن والمقام یا قوتتان من یاقوت الجنة نزلا فوضعا علی الصفا فأضاء نور ھما لا ھل الأرض ما بین المشرق والمغرب کما یضیء المصباح فی اللیل المظلم. یونس الروعة ویستأنس إلیه. ولیبعثن الرکن و المقام وھما فی العظم مثل جبل أبی قبیس، یشھدان لمن وافاھما بالوفاء فرفع اللہ تعالیٰ النور عنھما و غیر حسنھما فوضعھما حیث ھنا"۔[1]

"رکن اور مقام جنتی یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں۔ یہ جنت سے اتارے گئے اور صفا (پہاڑی) پر رکھ دیئے گئے ان کے نور نے مشرق ومغرب کے مابین ہر چیز کو اس طرح لوگوں کے لئے روشن کر دیا جیسے تاریک رات میں چراغ روشنی کرتا ہے۔ یہ وحشت دور کرتا ہے اور اس سے انس حاصل کیا جاتا ہے۔ رکن اور مقام کو اوپر اٹھا لیا جائے گا۔ ان کی جسامت ابی قبیس پہاڑ کی مانند ہوگی۔ یہ ہر اس آدمی کی گواہی دیں گے جنہوں نے ان سے وفا کی"۔

---

[1] الأزرقی ۱/۳۲۶، الفاکہی ۱/۹۴، صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۰۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھا لیا اور ان کا حُسن تبدیل کر دیا اور انہیں جہاں تھے وہاں رکھ دیا۔

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان فرمایا کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے استلام رکن کیا تو آپ سے فرمایا:

"لولا ما طبع علی هذا الحجر یا عائشة من أرجاس الجاهلیة وأنجا سها إذا لأستشفي به من کل عاهة وإذا لألفي الیوم کهیئته یوم أنزله اللّٰه عزوجل ولیعید نه إلی ما خلقه أول مرّة وانه لیا قوتته بیضاء من یواقیت الجنة ولکن اللّٰه تعالیٰ غیره بمعصیة العاصین وستر زینته عن الظلمة والأثمة لأنه لا ینبغي لهم أن ینظرو ا إلی شيء کان بدؤه من الجنة"[1]

"اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر اس پتھر پر جاہلیت کی ناپاکی اور گندگی کا میل کچیل نہ ہوتا تو اس سے ہر آفت رسیدہ شفا یاب ہوتا اور جس ہیئت میں اللہ تعالیٰ نے اسے اتارا تھا آج بھی یہ اسی ہیئت پر ہوتا اور اللہ تعالیٰ اسے اسی حالت میں لوٹا دیتا جس حالت میں اسے پہلی دفعہ تخلیق کیا تھا۔

یہ جنتی یاقوتوں میں سے سفید یاقوت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے گنہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے تبدیل کر دیا اور اس کی زیب و

[1] الازرقی ۱/۳۲۲، الفاکہی ۱/۹۴، ابن حجر نے "الفتح ۳/۴۶۲" میں اسکی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔

زینت کو ظالموں اور گنہگاروں سے پوشیدہ کر دیا کیونکہ جس چیز کی ابتداء جنت سے ہے وہ اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

تنبیہ

گزشتہ نصوص میں جو بیان کیا گیا ہے کہ حجرِ اسود جنتی یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے اور جنت سے ہی اترا ہے۔ تو یہ نصوص اپنے ظاہر معنی پر ہی محمول ہوں گی اس حیثیت سے کہ مطلق ایں اصل چیز حقیقت ہی ہے۔[1]

خصوصاً یہ بات کہ نصوص کا تتمہ اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حجرِ اسود جنت میں سے جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جائے گا۔ تو اصل میں یہ جنتی ہی ہے تو جب اسے زمین پر اتارا گیا تو حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا کہ اس میں زمینی احکام کا لحاظ رکھا جائے تو اس وجہ سے اس کا نور بجھا دیا گیا۔[2]

۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بوسے سے حجرِ اسود کے شرف میں اضافہ

حجرِ اسود کو عظیم شرف اور قدیم بزرگی حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے تمام پتھروں کو چھوڑ کر اسے ہی عطا فرمائی ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث مبارکہ میں اس کے متعلق گزر چکا ہے۔ اور وہ اس کا اللہ تعالیٰ کے اس عظیم گھر کے ایک کونے میں ہونا ہے۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آئندہ صفحات میں اس کے اور فضائل بھی ذکر کیے جائیں گے۔

ان سب فضائل سے بڑھ کر جس چیز نے اس کے شرف و فخر میں اضافہ کیا وہ یہ ہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اسے بوسہ دیا ہے۔

1۔ وفاء الوفاء للسمہودی ۱/۳۳۳

2۔ حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ دہلوی ۲/۶۵، فیض القدیر ۲/۳۴۳۔

مسلمانوں کے حجرِ اسود کو چومنے اور اسے استلام کرنے میں ایک بہت دقیق نقطہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا منہ اس جگہ لگتا ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا منہ مبارک لگا تھا اور ان کے ہاتھ اس جگہ کو چھوتے ہیں جہاں ان مکرم ہستیوں کے ہاتھوں نے اس مکرم پتھر کو چھوا، تو وہ کون سا مسلمان ہے کہ جس کے دل میں یہ نقطہ آ گیا اور وہ اسے چومنے اور استلام کرنے میں جلدی نہ کرے؟[1] امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں کہ:[2]

''اس مکرم پتھر کو بوسہ دے جو جنت سے اترا اور بوسہ دیتے ہوئے اپنا منہ اس جگہ رکھ جہاں یقینی طور پر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی عطا پر تجھے مبارکباد ہو۔ اس سے بڑھ کر فخر والی بات کیا ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہم اس مبارک عصا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کی طرف اشارہ فرما کر اسے بوسہ دیا تو ہمارا یہ حق ہے کہ اسے بوسہ دینے اور اس کی تعظیم کرنے کے لئے اس پر ٹوٹ پڑیں۔ حالانکہ ہمیں اس بات کا بھی یقینی طور پر علم ہے کہ حجرِ اسود کو چومنا اس عصا کو چومنے سے زیادہ افضل ہے''۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے اور فرماتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چھوا ہے۔

کیونکہ اب ہم ایسا نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ

---

[1] التاریخ القویم لکردی ۲۹۹/۳۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۴۲/۴

کے دست قدرت کے قائمقام ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ کے لب ہائے مبارک نے بوسہ دیتے ہوئے چھوا ہے تو جب تو حج نہ کر سکے اور حاجیوں کے وفد سے ملاقات کرے تو لازمی طور پر ان سے مل کر ان کے منہ کو بوسہ دے اور یہ کہہ یہ ایسا منہ ہے جس نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے اس حجرِ اسود کو جسے میرے خلیل نبی کریم ﷺ نے بوسہ دیا ہے"۔

امام عزالدین بن جماعۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"جب انسان اس جگہ کو بوسہ دینے کا ارادہ کرے جسے یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا ہے تو اگر ممکن ہو تو سارے حجرِ اسود کو بوسہ دے۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کئی بار سارے حجرِ اسود کو بوسہ دیا ہے"۔[1]

اسی چیز کو شاعر انسانی استاد عمر بہاء الدین الأمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۲ھ) نے ایک خوبصورت قصیدے میں بیان فرمایا ہے۔ وہ قصیدہ درج ذیل ہے۔

الحجر الأسود قبلته ۔۔۔ بشفتي قلبي و كلي وله

حجرِ اسود کو میں نے دل کے ہونٹوں اور شدید محبت کے جذبات کے ساتھ بوسہ دیا۔

لا لاعتقادي أنه نافع ۔۔۔ بل لهيامي بالذي قبله

اس اعتقاد کی بنا پر نہیں کہ یہ نفع بخش ہے بلکہ اس ہستی کے ساتھ حد درجہ محبت کی وجہ سے جس نے اسے بوسہ دیا۔

محمد أطهر أنفاسه ۔۔۔ كانت علي صفحته مرسله

یعنی سیّدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی پاکیزہ سانسیں اس کے چہرے پر نچھاور کیں۔

---

[1] حدایۃ السالک إلی المذاہب الاربعۃ فی المناسک ۲/۸۲۱۔

؎ قبلــه والنــور مــن ثغره یشــرق آیـات هـدى منزله

آپ ﷺ نے اسے بوسہ دیا درآنحالیکہ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نور چمکتا ہے اور آیاتِ ہدایت نازل ہوتی ہیں۔

؎ قبلـــت مـا قبلـه ثغـره الناطق بالوحی ابتغاء الصّلة

میں نے صرف تعلق اور رابطے کی چاہت میں ایسا کیا ہے۔

امیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ "رابطہ اور تعلق چاہتے ہوئے" کتنا ہی پیارا ہے۔ یعنی حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں ایک رابطہ، تعلق اور سند عالی ہے جو کہ بغیر کسی واسطہ کے سیّدنا رسول اللہ ﷺ سے متصل اور اس مکرم پتھر کو بوسہ دینے کے سبب مسلسل ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ رضی اللہ عنہم علماء و صالحین میں سے ان کے تابعین اور اللہ تعالیٰ کے مہمان حجاج کرام اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والوں کے ساتھ متصل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی شان کے مطابق عزتوں سے نوازے۔

ادیب ابنِ نباتہ محمد بن محمد (م ۷۶۸ھ) نے ایک قصیدہ ذکر کیا ہے۔ اس کی ابتداً میں انہوں نے خانہ کعبہ کی تعریف بیان کی ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کی مدح بیان کی ہے۔ اور حجرِ اسود کے متعلق یہ اشعار ذکر کیے ہیں

؎ ألـم تـرخـا لهـا المسود أضحى
یـفـوق عـلـى الصباح المستطير

کیا تو نے بیت اللہ کا وہ کالا پتھر نہیں دیکھا جو چاشت کے وقت پھیلنے والی صبح پر بلند ہوتا ہے۔

؎ تقبله الطوائف طائفات فیا شرف المباسم والثغور

طواف کرنے والے گروہ در گروہ اسے بوسہ دیتے ہیں تو کتنا ہی بڑا

شرف ہے ان مونہوں کے لئے۔

تکون درة بیضاء لکن
تسود من ذنوب اولی القصور

اسے سفید تخلیق کیا گیا لیکن گناہوں والوں کے چھونے کی وجہ سے یہ سیاہ پڑ گیا ہے۔

اقبله لعل فمی یلاقی
مکانا فاز بالهادی البشیر

میں نے اسے بوسہ دیا ہے کہ شاید میرا منہ اس جگہ لگے جو نوازا گیا ہدایت دینے والے خوشخبری سنانے والے کے ساتھ۔

محمد الذی ساد البرایا
وأخجل طلعة القمر المنیر[1]

یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو تمام مخلوق کے سردار ہوئے اور بدرِ منیر (چودھویں کا چاند) کو شرما دیا۔

۵۔ حجرِ اسود کو چھونے سے خطاؤں کی معافی

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حجرِ اسود اور رکن یمنی پر اتنی بھیڑ کرتے تھے کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اتنی بھیڑ کرتے نہیں دیکھا۔ تو میں نے عرض کی۔ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ ان دونوں رکنوں پر اتنی بھیڑ کرتے ہیں کہ میں نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو اتنی بھیڑ کرتے ہوئے

[1] العلم المفرد لابن علان (قلمی نسخہ)

نہیں دیکھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عالیشان سنا ہے کہ:

"اِن مسحهما كفارة للخطايا"۔

"ان دونوں کو چھونا خطاؤں کے لئے کفارہ ہے"۔

اور یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"من طاف بهذا البيت اسبوعا فأحصاه كان كعتق رقبة"

جس نے اس گھر کا گن کر سات بار طواف کیا تو یہ ایک گردن آزاد کرنے کی مانند ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"لا يضع قدما ولا يرفع أخرى إلاحط الله عنه خطيئته وكتب له بها حسنة"[1]

"(جب انسان) ایک قدم رکھتا ہے اور دوسرا اٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی ایک خطا معاف فرماتا ہے اور اس کے لئے اس قدم کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتا ہے"۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

"أن مسحهما يحطان الخطيئة"

"ان دونوں کو چھونا خطاؤں کو معاف کرتا ہے"۔

---

[1] سنن الترمذی ۳/۲۹۲ وقال حدیث حسن۔ سنن النسائی ۵/۲۲۱۔ صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۸۔ صحیح ابن حبان ۹/۱۲۔ مسند احمد ۲/۹۵۔

٦- قیامت کے دن حجرِ اسود کی خصوصیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان لهذا الحجر لسانا وشفتين يشهد لمن استلمه يوم القيامة بحق"[1]

"اس پتھر (حجرِ اسود) کی زبان اور ہونٹ ہوں گے۔ یہ قیامت کے دن اس آدمی کی حق کے ساتھ گواہی دے گا جس نے اسے بوسہ دیا"۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الحجر الأسود يا قوتة بيضاء من يا قوت الجنة وإنما سودته خطايا المشركين، يبعث يوم القيامة مثل احد يشهد لمن استلمه وقبله من اهل الدنيا"[2]

"حجرِ اسود جنتی یاقوتوں میں سے سفید یاقوت ہے۔ اسے مشرکین کی خطاؤں نے سیاہ کر دیا ہے۔ قیامت کے دن اسے احد پہاڑ کی مانند اٹھایا جائے گا۔ دنیا والوں میں سے جس نے اسے استلام کیا اور بوسہ دیا یہ اس کی گواہی دے گا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے، فرماتے ہیں:

"ليس في الارض شئي من الجنة الاالركن و المقام فإنهما

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۱، صحیح ابن حبان ۹/۲۵۔ سنن ابن ماجہ ۲/۹۸۲، المستدرک للحاکم ۱/۴۵۷۔ مسند امام احمد ۱/۲۲۶۔

[2] صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۲۰۔ سنن الترمذی ۳/۲۹۴ وقال حدیث حسن۔ سنن الدارمی ۲/۴۲۔

جوهرتان من جوهر الجنة. يأتي كل واحد منهما يوم القيامة اعظم من أبي قبيس لهما عينان وشفتان يشهد ان لمن وافا هما بالو فاء"۔[1]

"زمین پر صرف دو ہی جنتی چیزیں ہیں حجرِ اسود اور مقام ابراہیم۔ یہ دونوں جنتی جواہرات میں سے جوہر ہیں۔ قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس طرح آئے گا کہ وہ جبل اَبی قبیس سے بڑا ہو گا۔ ان کی دو آنکھیں اور دو ہونٹ ہوں گے۔ یہ اس آدمی کی گواہی دیں گے جس نے ان دونوں کا حق پورا پورا ادا کیا"۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، فرماتے ہیں:

"ليبعثن الركن والمقام وهما في العظم مثل أبي قبيس يشهدان لمن وافاهما بالو فاء فرفع اللّٰه تعالىٰ النور عنهما وغير حسنهما فوضعهما حيث هما"۔[2]

"حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کو اس حال میں اُٹھایا جائے گا کہ ان کی جسامت جبل اَبی قبیس کی مانند ہو گی۔ یہ اس آدمی کی گواہی دیں گے جس نے ان کا حق پورا پورا ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھا لیا اور ان کا حسن تبدیل کر دیا اور جہاں تھے وہاں رکھ دیا"۔

۷۔ قبولیت دعا کا مقام

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"على الركن اليماني ملكان يؤمنان على دعاء من مرّبهما

---

[1] الفاکہی ۱/۴۴۳۔ الدر المنثور ۱/۱۱۹۔

[2] الازرقی ۱/۳۲۶۔ الفاکہی ۱/۹۴۔

وإن على الحجر الاسود مالا يحصي"۔[1]

"رکن یمانی پر دو فرشتے مقرر ہیں جو بھی ان کے پاس سے گزرتا ہے وہ اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور حجرِ اسود پر بے شمار فرشتے مقرر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"ان الركن يمين الله في الأرض يصافح بها خلقه والذى نفس ابن عباس بيده مامن اِمرى مسلم يسأل الله شيئا عنده الا أعطاه اياه"[2]

"حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مصافحہ فرماتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہء قدرت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جان ہے کوئی بھی مسلمان اس کے پاس اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے عطا فرما دیتے ہیں"۔

آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، فرماتے ہیں:

"من استلم هذا الركن ثم دعا استجيب له"[3]

"جس آدمی نے بھی اس حجرِ اسود کو بوسہ دیا (استلام کیا) پھر دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ اگرچہ جلدی بھی کرے؟ تو فرمایا:

---

[1] الازرقی ۳۴۱/۱

[2] الازرقی ۳۲۴/۱، ۳۲۶۔

[3] مصنف عبدالرزاق ۳۰/۵، الفاکھی ۱۰۲/۱، الازرقی ۳۲۸/۱

''اگرچہ اچکنے والی بجلی سے بھی جلدی کرے''۔

۸- حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے ملائکہ کا ہجوم

حضرت وہب بن منبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

''أن جبريل عليه السلام وقف على رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه عصابة حمراء قد علاها الغبار فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ما هذا الغبار أرى على عصابتك أيها الروح الامين؟

قال اِنى زرت البيت فازدحمت الملائكة على الركن فهذا الغبار الذى ترى مما تثير بأجنحتها''[1]

''حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوئے۔ انہوں نے سرخ رنگ کا عمامہ پہنا ہوا تھا اس پر گرد لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے روح الأمین! آپ کے عمامے پر یہ غبار کیسا ہے؟

تو انہوں نے فرمایا: کہ میں نے بیت اللہ شریف کی زیارت کی ہے۔ تو حجرِ اسود پر ملائکہ نے ہجوم کر لیا۔ یہ غبار جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ ان کے پروں سے اڑا ہے''۔

جبکہ گزشتہ صفحے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں گزر چکا ہے کہ حجرِ اسود کے پاس بے شمار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے پاس دعا کرنیوالوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

---

[1] الازرقی ۱/۳۵۔

۹- آنسو بہانے کا مقام

"استقبل النبي صلى الله عليه وسلم الحجر ثم وضع شفتيه عليه يبكي طويلا ثم اِلتفت فإذا هو بعمر بن الخطاب يبكي. فقال يا عمر هاهنا تسكب العبرات"[1]

نبی کریم ﷺ حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے پھر اپنے لب ہائے مبارک اس پر رکھ کر کافی دیر روئے۔ پھر واپس مڑے تو دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں تو ارشاد فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! اس جگہ آنسو بہائے جاتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"دخلنا مكة عند ارتفاع الضحى فأتى النبي صلى الله عليه وسلم باب المسجد فأناخ راحلته ثم دخل المسجد فبدأ بالحجر فاستلمه وفاضت عيناه بالبكاء"[2]

"ہم چاشت (دھوپ) کے بلند ہونے کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ مسجد حرام کے دروازے پر تشریف لائے۔ اپنی سواری کو بٹھایا پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دے کر (طواف کی) ابتداء کی درآنحالیکہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے"۔

تو حجرِ اسود وہ مقام ہے جس کے پاس آنسو بہائے جاتے ہیں، حسرتیں دور ہوتی ہیں، دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور پروردگارِ زمین و آسمان کے حکم سے لغزشیں معاف کی جاتی ہیں۔

---

[1] صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۲، سنن ابن ماجہ ۲/۹۸۲، المستدرک ۱/۴۵۴۔ نصب الرایۃ ۳/۳۸۔

[2] المستدرک للحاکم ۱/۴۵۵، صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۲، ۲۱۳، سنن البیہقی ۵/۷۴، الترغیب والترہیب ۲/۱۹۵، ۱۹۶، التلخیص الحبیر ۲/۲۴۵، ۲۴۶۔

فائدہ

اس چیز کے بارے میں کہ حجرِ اسود بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کو سلام کہا کرتا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إني لأعرف حجرا بمكة كان يسلم علي قبل أن أبعث. إني لأعرفه الآن''[1]

''میں مکہ مکرمہ میں ایک ایسے پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اسے جانتا ہوں''۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ[2] مسلم کے علاوہ بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خیال کرتے تھے کہ وہ پتھر حجرِ اسود ہے۔

جبکہ شفاء شریف میں یہ ذکر کیا ہے کہ بعض کے نزدیک اس سے مراد حجرِ اسود ہے[3]

امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دیگر سے روایت کیا ہے کہ:

مسندات میں روایت کیا گیا ہے کہ اس پتھر سے مراد حجرِ اسود ہے اور یہی ماثور (حدیث واثر) سے ثابت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ پتھر حجرِ اسود کے علاوہ ہے اور یہ کہ آج کل وہ مکہ مکرمہ کے ایک مشہور مقام ''زقاق المرفق'' میں ہے۔[4]

یہی کچھ حدیث مبارکہ کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور مزید غور کیا جا سکتا ہے۔

---

1. صحیح مسلم۔ الفضائل باب فضل نسب النبی ﷺ ۱۷۸۲/۴
2. اکمال المعلم ۲۳۶/۷، اُبّی شرح مسلم ۴/۸۔
3. الشفاء ۶۷/۳ 4. نسیم الریاض ۶۷/۳، المفہم للقرطبی ۵۱/۶، سبل الھدیٰ والرشاد ۲۲۹/۲۔

باب سوم

حجرِ اسود سے متعلقہ فقہی احکام

مسئلہ نمبر 1: حجرِ اسود کو بوسہ دینا مطلقاً مستحب

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر فرمایا:

"إني أعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع ولولا أني رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يقبلك ماقبلتك"[1]

"میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا"۔

امام مسلم نے "صحیح مسلم" میں حضرت سعید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"رأيت عمر قبل الحجر والتزمه وقال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بك حفيا"۔[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج ۴۶۲/۳، صحیح مسلم ۹۲۵/۲۔
[2] صحیح مسلم ۹۲۶/۲

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور اس کے ساتھ لپٹے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آتے دیکھا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

امام نسائی نے اسے ایک اور طریق سے روایت کیا ہے[1] جس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہ "انك حجر لا تضر" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"رأيت عمر قبل الحجر ثلاثا ثم قال إنك حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلك ما قبلتك.

ثم قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل مثل ذلك"۔[2]

"میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے حجر اسود کو تین بار بوسہ دیا پھر فرمایا کو تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا

---

[1] سنن النسائی کتاب الحج ۵/۲۲۷

[2] فتح الباری ۳/۲۲۷

ہے"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "المطالب العالیۃ"[1] میں ایک روایت ذکر کی ہے۔ اس سے بھی قول "انك حجر لا تضر" کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع ہونے کے متعلق پتہ چلتا ہے۔ وہ روایت درج ذیل ہے:

"عن رجل رأى النبي صلى الله عليه وسلم وقف عند الحجر فقال اِني لأعلم أنك حجر لا تضرولا تنفع ثم قبله ثم حج ابوبكر فوقف عندالحجر ثم قال اِني لأعلم أنك حجر لاتضرو لا تنفع ولو لا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلك ماقبلتك"

ایک آدمی سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کے پاس کھڑے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ پھر اسے بوسہ دیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو حجرِ اسود کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا"۔

ایک ضعیف روایت میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ایک قصے کا ذکر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول "انك حجر لا تضر" سنا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی تردید فرمائی۔

---

[1] المطالب العالیۃ ۱/۳۳۱

میں یہاں اس روایت کو اس کا ضعف بیان کرنے کے لئے ذکر کروں گا کیونکہ یہ بہت شہرت پا چکی ہے۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ گزشتہ قول نبی اکرم ﷺ سے مرفوعاً مروی ہے اور اس میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کی اتباع کی ہے۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی اتباع کی ہے۔

تو یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول نبی کریم ﷺ کے فرمان ''لا یضر ولا ینفع'' کے بعد یہ جواب دیں کہ ''بل یضرو ینفع''۔ (یعنی یہ نقصان بھی پہنچاتا ہے اور نفع بھی دیتا ہے۔)[1]

وہ روایت درج ذیل ہے:

امام حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیوں نہیں! اے امیر المؤمنین! یہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور نفع بھی دے سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیسے؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حوالے سے، فرمایا: کتاب اللہ میں یہ کہاں ہے؟ تو فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

''واذ اخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى'' (الاعراف:۱۷۲)

ترجمہ: ''اور (یاد کیجئے) جب آپ کے ربّ نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا) کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں وہ (سب) بول اٹھے کیوں نہیں؟ (تو ہی

[1] فتح القدیر لابن ہمام ۳۵۴/۲

ہمارا ربّ ہے)"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا اور ان کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیرا (تو ان کی پشت سے ان کی تمام اولاد نے جنم لیا) تو ان سب نے اقرار کیا کہ وہ ہمارا ربّ تعالیٰ ہے اور وہ سب اس کے بندے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد اور میثاق لیا۔ اور یہ چیز ایک کاغذ پر لکھ دی۔ اس پتھر کی دو آنکھیں اور ایک زبان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ اپنا منہ کھول تو اس نے اپنا منہ کھولا۔ تو وہ کاغذ اسے کھلا دیا اور فرمایا قیامت کے دن اس شخص کی گواہی دینا جس نے تیرے حق کو پورا پورا ادا کیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: قیامت کے دن حجرِ اسود کو لایا جائے گا۔ اس کی بلیغ زبان ہوگی اور جس نے اسے توحید پر ایمان رکھنے کی حالت میں بوسہ دیا یہ اس کی گواہی دے گا۔

لہٰذا امیر المؤمنین! یہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور نفع بھی دے سکتا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوحسن رضی اللہ عنہ! میں اس قوم میں زندگی گزارنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جس میں آپ نہ ہوں۔[1]

حکمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ "نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع دے سکتا ہے"۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ اس کے متعلق امام محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] ازرقی ۱/۳۲۳۔ المستدرک ۱/۴۵۷۔ ذہبی نے مختصر المستدرک میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں ابوہارون عبدی ہے جو کہ ساقط راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے "الفتح ۳/۴۶۲" میں ذکر کیا ہے کہ اس کی اسناد میں ابوہارون عبدی ہے جو کہ بہت ضعیف راوی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ایسا فرمایا تھا کہ لوگوں نے نئی نئی بتوں کی پرستش چھوڑی تھی۔ تو انہیں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں جاہل لوگ یہ گمان نہ کر لیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا بھی اسی طرح ہے جیسے عرب لوگ کیا کرتے تھے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ چاہا کہ وہ لوگوں کو یہ چیز سکھا دیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا ہے۔ اور یہ کہ یہ شعائرِ حج میں سے ہے جن کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں عہدِ جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرنے کی مخالفت ہے۔ کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں گے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کی مخالفت پر تنبیہ فرمائی۔ کیونکہ عبادت صرف اسی ذات کی ہی کی جاتی ہے جو کہ نقصان اور نفع کا مالک ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں امورِ دینی میں اپنے آپ کو شارع کے سپرد کرنا پایا جاتا ہے اور جس حکم کے معانی ظاہر نہیں اور حکمت معلوم نہیں اس کی حسنِ اتباع پائی جاتی ہے۔

اس میں بعض جاہلوں کے اس خیال کا ابطال ہے کہ حجرِ اسود میں اس کی ایک ذاتی خاصیت ہے[2] اس حیثیت سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔[3]

یہ ہی تاویل کرنا ممکن ہے چاہے یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یا شیخین رضی اللہ عنہما کا

---

[1] القری ص ۲۸۱، الفتح ۳/۴۶۳، المنتقی شرح الموطا ۲/۲۸۷، المجموع ۸/۲۹۔

[2] فتح الباری ۳/۴۶۳

[3] فتح الباری ۳/۴۶۳

ہو۔

مشرکین کے حجرِ اسود کی پوجا نہ کرنے میں راز

شیخ محمد طاہر کردی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جو چیز قابل ذکر اور قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ عہد جاہلیت میں اہل عرب پتھروں خاص طور پر مکہ مکرمہ اور حرم پاک کے پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ لیکن کسی سے بھی یہ بات نہیں سنی گئی کہ کسی ایک نے بھی حجر اسود یا مقام ابراہیم کی پوجا کی ہو حالانکہ وہ ان دونوں پتھروں کا بہت زیادہ احترام بھی کرتے تھے اور ان کی حفاظت بھی کرتے تھے۔

ہم نے اس راز کے اور اس سبب کے جاننے کیلئے غور وفکر کیا تو ہمارے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ چیز عصمتِ باری تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر عہد جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان دونوں کی عبادت کی جاتی۔ پھر عہد اسلام میں ان دونوں کی تعظیم کا حکم دیا جاتا اس طرح کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے کر اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کر کے ان کی تعظیم کی جاتی تو منافق اور اسلام کے دشمن یہ بات ضرور کہتے کہ اسلام نے بھی کچھ بتوں کا احترام برقرار رکھا ہے اور اس نے بھی شرک کے شائبہ سے چھٹکارا نہیں پایا۔ اور جو پہلے ہی ان دونوں کی پوجا کرتے ہوتے وہ اسلام میں بھی ان کی پوجا سے چمٹے رہتے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایام سے لے کر آج تک اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ان دونوں پتھروں کو اہل جاہلیت کی پوجا سے محفوظ رکھے گا جیسا کہ بیت الحرام شریف کو ان کی پوجا سے محفوظ رکھا۔ اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس دقیق نقطے تک ہر ذہن کی رسائی نہیں ہے۔[1]

---

[1] مقام ابراہیم ص ۱۰۷۔

مسئلہ نمبر۲: ابتداءِ طواف کے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینا مستحب

''الاستلام'' تا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ھروی کہتے ہیں کہ ازہری نے بیان کیا ہے کہ: یہ ''سلام'' سے باب افتعال کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے سلام کرنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ''اقرأت السلام'' میں نے سلام کہا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل یمن حجرِ اسود کو ''المحیا'' کہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اسے سلام کہتے ہیں۔

ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ:

یہ ''سلام'' سے مشتق ہے اور اس سے مراد پتھر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''استلمت الحجر'' یعنی میں نے پتھر کو چھوا۔[1]

جبکہ جوہری نے ''صحاح'' میں ذکر کیا ہے کہ[2]

''استلم الحجر'' سے مراد یہ لے کہ اس نے اسے بوسہ کے ساتھ یا ہاتھ کے ساتھ چھوا۔

مذاہب اربعہ کے فقہاءِ کرام کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ طواف کی ابتداء میں حجرِ اسود کو ہاتھ کے ساتھ چھونا یا بوسہ دینا مستحب ہے۔[3]

اس کی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جسے امام بخاری و مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ الفاظ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[1] المجموع للنووی ۳۱/۸

[2] الصحاح ۱۹۱۴/۳

[3] مناسک ملاعلی القاری ص ۸۹، الشرح الکبیر للدردیر ۴۰/۲، مناسک النووی ۲۱۷۔ کشاف القناع ۴۷۸/۲۔

"رأيت رسول الله ﷺ حين يقدم مكة إذا استلم الركن الأسود أول مايطوف يخب. أي يسرع في مشيه. ثلاثة أطواف من السبع"[1]

"رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے ابتداءِ طواف میں حجرِاسود کو بوسہ دیا تو سات چکروں میں سے تین چکر آپ ﷺ تیز چلے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے حج کا طریقہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔فرماتے ہیں:

"حتى إذا أتينا البيت معه ﷺ استلم الركن فرمل ثلاثا."[2]

"حتیٰ کہ جب ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف آئے تو آپ ﷺ نے حجرِاسود کو بوسہ دیا اور تین چکروں میں رمل کیا یعنی تیز چلے"۔

امام حاکم نے "مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

دخلنا مكة عند ارتفاع الضحى فأتى النبي ﷺ باب المسجد فاناخ راحلته ثم دخل المسجد فبدأ بالحجر فاستلمه[3]

"ہم چاشت (دھوپ) کے بلند ہونے کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ مسجد حرام شریف کے دروازے پر تشریف لائے

---

[1] صحیح البخاری ۲/۴۷۰۔ صحیح مسلم ۲/۹۲۱۔

[2] صحیح مسلم ۲/۸۸۷

[3] المستدرک للحاکم ۱/۴۵۵۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی نے اس کی تصحیح میں آپ سے موافقت کی ہے۔

اور اپنی سواری بٹھا کر مسجد میں داخل ہوئے۔ تو حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کی تو اسے بوسہ دیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت زبیر بن عربی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

''سأل رجل ابن عمر رضی اللہ عنهما عن استلام الحجر فقال رأیت رسول اللہ ﷺ یستلمه و یقبله''[1]

''ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حجرِ اسود کو استلام کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے استلام کرتے ہوئے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

استلامِ حجرِ اسود شعارِ طواف

امام فاکھی نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''ہر چیز کا کوئی شعار ہوتا ہے اور طواف کا شعار حجرِ اسود کو بوسہ دینا ہے''[2]

وہ روایت جس میں حجرِ اسود کو استلام کرنے پر بہت شدت سے ابھارا گیا ہے۔ وہ امام فاکھی نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شہروں کی طرف مراسلہ بھیجا کہ بیت اللہ شریف میں تمہاری آخری ملاقات حجرِ اسود سے ہونی چاہیے''[3]

امام فاکھی نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ المعروف امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

1. صحیح بخاری ۳/۴۷۵
2. الفاکھی ۱/۱۱۰
3. الفاکھی ۱/۹۷

"لا حج لمن لا يستلم الحجر لانه يمين الله في عباده"۔[1]

''جو حجرِ اسود کو استلام (بوسہ دینا) نہیں کرتا اس کا حج نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں دستِ قدرت ہے''۔

گزشتہ حدیثِ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ کامل حج اس وقت ہی ہوتا ہے جب حجرِ اسود کو استلام کیا جائے اس حیثیت سے کہ یہ چیز سنت ہے اور مستحب ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حج ہوتا ہی نہیں ہے۔

''تمام فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو آدمی طواف کے دوران حجرِ اسود کو استلام (بوسہ دینا) نہ کرے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ ہاں! البتہ استلام کرنا افضل ہے''۔[2]

مسئلہ نمبر ۳: حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے ساتھ ساتھ اس پر سجدہ کرنے کا استحباب

حجرِ اسود پر سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے بوسہ دینے والا آدمی اپنا چہرہ یا پیشانی اس پر سجدے کی شکل میں رکھے۔[3]

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت جعفر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت محمد بن عباد بن جعفر کو دیکھا کہ آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور اس پر سجدہ کیا اور کہا کہ میں نے آپ کے ماموں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اسے بوسہ دیتے ہوئے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے

1۔ الفاکھی ۱/۹۷

2۔ المنتقی للباجی ۲/۲۸۷

3۔ المجموع للنووی ۸/۳۳۔ مناسک علی القاری ص ۸۹۔

دیکھا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسے بوسہ دیتے ہوئے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل ھذا ففعلت"[1]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے تو میں نے بھی ایسا ہی کیا۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں:

"أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سجد علی الحجر"۔[2]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود پر سجدہ فرمایا"۔

حضرت ابو جعفر روایت کرتے ہیں کہ:

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ یوم الترویۃ کو تشریف لائے آپ نے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا پھر اس پر سجدہ کیا، پھر بوسہ دیا پھر سجدہ کیا۔ پھر بوسہ دیا پھر اس پر سجدہ کیا۔

میں نے ابن جریج سے پوچھا کہ اس روایت میں جو لفظ "التسبید یعنی مسبدًا" آیا ہے اس کا کیا معنٰی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آدمی غسل کر کے سر کو ڈھانپ لے اور بالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ چمٹا دے۔[3]

---

[1] المستدرک للحاکم ۱/۴۵۵۔ المجموع ۸/۳۳۔ صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۳۔ السنن الکبرٰی ۵/۷۴۔ مجمع الزوائد ۳/۲۴۱۔

[2] المستدرک ۱/۴۷۳۔ صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۳۔ سنن البیہقی ۵/۷۴

[3] مصنف عبدالرزاق ۵/۳۷۔ الام للشافعی ۲/۱۷۱۔ الفاکھی ۱/۱۱۱۔

احناف[1]، شوافع[2] اور حنابلہ[3] کے نزدیک حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے بعد اس پر تین مرتبہ سجدہ کرنا مستحب ہے۔

جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسے مستحب قرار نہیں دیتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل بدعت ہے۔[4] یہی وجہ ہے کہ مالکیوں نے اپنی کتابوں میں حجرِ اسود پر سجدہ کرنے کو مکروہ کہا ہے۔[5]

- گزشتہ نصوص اُحادیث استحباب کا قول کرنے والوں کی شاہد ہیں۔

مسئلہ نمبر۴: سعی شروع کرنے سے پہلے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا استحباب

امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا طریقہ نقل کیا ہے اس میں ہے۔ فرماتے ہیں:

''حتى اذا أتينا البيت معه صلى الله عليه وسلم استلم الركن فرمل ثلاثا ومشى صلى الله عليه وسلم أربعا ثم نفذ الى مقامِ ابراهيم فقرأ "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى" فجعل المقام بينه وبين البيت...... ثم رجع الى الركن فاستلمه ثم خرج من الباب الى الصفا''۔[6]

''حتیٰ کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ اور تین چکروں میں تیز چلے اور چار

---

۱ مناسک علی القاری ص ۸۹
۲ المجموع للنووی ۸/۳۳
۳ کشاف القناع ۲/۴۷۸
۴ المدونۃ لامام مالک ۱/۳۶۴۔
۵ الشرح الکبیر ۲/۴۱۔ التاج والاکلیل للمواق ۳/۱۰۸۔ جواہر الاکلیل ۱/۱۷۸۔
۶ صحیح مسلم ۲/۸۸۸

چکروں میں درمیانی چال چلے پھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے اور مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی آپ ﷺ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھا...... حجرِ اسود کی طرف واپس آئے اور اسے بوسہ دیا پھر دروازے سے صفا کی طرف تشریف لے گئے"۔

یہ استلام صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء کرنے کے لئے تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ ﷺ نے بتقاضائے مروت و وفا یہ مناسب نہ خیال کیا ہو کہ صفا کی طرف جاتے ہوئے حجرِ اسود پر کوئی توجہ نہ دی جائے۔[1]

مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء کرنے سے پہلے حجرِ اسود کو بوسہ دینا مستحب قرار دیا ہے۔[2]

مسئلہ نمبر ۵: طواف کے بغیر حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا استحباب

نبی اکرم ﷺ سے مروی حجرِ اسود کی فضیلت میں گزشتہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اسے چھونا خطاؤں کو معاف کروانے کا سبب اور ان کے لئے کفارہ ہے۔ تو یہ ایسی نص ہے جو مطلقاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حجرِ اسود کو چھونا اور اسے بوسہ دینا عبادت اور قربت ہے جو بیت اللہ شریف کے متعلق ہے اور حجرِ اسود کے استلام کے لئے طواف یا رکوع والی نماز وغیرہ شرط نہیں ہے بلکہ صرف استلام کرنا بھی صحیح ہے جس طرح کہ تمام عبادات میں دعا کی جاتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے طواف کے علاوہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا یہ طریقہ تو نہیں البتہ اس میں کوئی حرج بھی نہیں

---

[1] مناسک علی القاری ص ۹۵۔

[2] مناسک علی القاری ص ۹۵۔ متن خلیل ۱/۱۷۸۔ مناسک نووی ص ۲۶۳۔ شرح منتہی الارادات ۲/۵۴۔

ہے۔[1]

اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے یہ چیز مروی ہے کہ وہ طواف کے علاوہ بھی حجرِ اسود کو بوسہ دیا کرتے تھے اور اس بات پر ابھارا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ روایات درج ذیل ہیں۔

امام فاکھی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

"آپ رضی اللہ عنہ مسجدِ حرام سے حجرِ اسود کو بوسہ دے کر ہی باہر نکلتے تھے چاہے وہ طواف کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں۔"[2]

آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بہت شدت اختیار کرتے تھے تو شاید اس فعل میں بھی آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی معرفت حاصل ہو۔

حضرت ابن ابی ملیکہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"آئمہ کرام میں سے سب سے پہلے جس نے حجرِ اسود کو نماز سے پہلے اور نماز کے بعد بوسہ دیا وہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ اس کے بعد حکام نے اس فعل کو مستحسن جانا تو ان کی اتباع کی۔"[3]

امام فاکھی نے ابن جریج سے روایت کیا، فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت عطاء سے عرض کی کہ میں نے آئمہ کرام کو دیکھا ہے کہ جب وہ منبر سے اترتے ہیں تو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے سے پہلے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ کیا آپ کو اس کے متعلق کسی چیز کا

---

[1] المنتقی شرح الموطا ۲/۲۸۶

[2] الفاکھی ۱/۱۲۵۔۱۴۶۔

[3] الأزرقی ۱/۳۴۵۔ الفاکھی ۱/۱۴۳۔

علم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ تو میں نے عرض کی: کہ کیا آپ اسے مستحسن خیال کرتے ہیں؟ تو جواب دیا: نہیں۔ البتہ! حجرِ اسود کو تو جتنا زیادہ استلام کرے گا وہ بہتر ہے"۔[1]

امام فاکھی نے حضرت حماد سے اور انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ:

تو جب بھی مسجد حرام میں داخل ہو، طواف کرے یا نہ کرے تو جب مسجد سے نکلنے کا ارادہ کرے حجرِ اسود کو استلام کر۔ یا اس کے سامنے آ اور تکبیر کہہ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ۔[2]

امام فاکھی ہی نے ابن طاوس سے اور انہوں نے اپنے والد مکرم سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"وہ مسجد میں رہا کرتے تھے تو جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتے تو حجرِ اسود کو استلام کرتے پھر باہر نکلتے"۔[3]

حجرِ اسود کو بوسہ دینا اگرچہ بغیر طواف کے ہی ہو زمانہ قریب تک کیا جاتا رہا تھا۔ شیخ محمد حسین عابد مکی فقیہہ مالکی (م ۱۳۴۱ھ) نے اپنی کتاب "ہدایۃ الناسک" میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"الحمد للہ! اس زمانے میں حجرِ اسود کو بغیرِ طواف کے بوسہ دینا مشہور ہے تو امام، خطیب، اور دیگر لوگ اسے بغیر طواف کے بوسہ دیتے ہیں"۔[4]

---

[1] الفاکھی ۱/۱۳۴

[2] الفاکھی ۱/۱۲۵

[3] الفاکھی ۱/۱۲۶۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۴۳۔

[4] ہدایۃ الناسک ص ۸۰

مسئلہ نمبر ۶: حجرِ اسود کو عصا، ہاتھ یا اس کی طرف اشارے کے ساتھ استلام کرنا وغیرہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

"طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع علی بعیرہ یستلم الرکن بمحجن"۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے اونٹ پر طواف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود کو عصا کے ساتھ استلام کرتے تھے۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف با لبیت و یستلم بمحجن معہ ویقبل المحجن"[2]

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصا کے ساتھ استلام (حجرِ اسود) کرتے اور عصا کو بوسہ دیتے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بعیر کلما أتی الرکن أشار إلیہ"[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۴۷۲

[2] صحیح مسلم کتاب الحج ۲/۹۶۷

[3] صحیح بخاری ۳/۴۷۲

حجرِ اسود کے پاس تشریف لاتے تو اس کی طرف اشارہ فرماتے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ابن التین نے بیان کیا ہے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصا کے ساتھ استلام کیا کرتے تھے۔ تو یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے قریب ہوا کرتے تھے۔ لیکن جو آدمی سوار ہو کر طواف کرے تو اگر کسی کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہو تو وہ بیت اللہ شریف سے دور رہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس وقت ایسا خدشہ نہیں تھا''۔

''اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوتے تو استلام فرماتے کیونکہ کسی کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ نہیں ہوتا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور ہوتے تو اشارہ فرماتے کیونکہ اس وقت قریب جانے میں کسی کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہوتا تھا''۔[1]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"رأيت ابن عمر رضي الله عنهما يستلم الحجر بيده ثم قبل يده وقال ما تركته منذ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله".[2]

''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے کہ آپ حجرِ اسود کو اپنے ہاتھ سے استلام (چھونا) کرتے پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتے اور

---

[1] فتح الباری ۳/۴۷۶

[2] صحیح مسلم ۲/۹۲۴

فرماتے۔ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے میں نے کبھی اسے ترک نہیں کیا“۔

حضرت عطاء سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

”میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما‘ حضرت ابوھریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا ہے کہ جب وہ حجرِ اسود کو چھوتے تو اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتے“۔[1]

احناف، شوافع اور حنابلہ نے اس پر نص بیان کی ہے کہ حجرِ اسود کو استلام کرنے والا جب اسے ہاتھ سے استلام کرے یا عصا سے چھوئے تو اپنے ہاتھ یا عصا کو بوسہ دے اور اس پر دلیل گزشتہ احادیث مبارکہ میں صریح ہے۔[2]

جبکہ مالکیہ کا مشہور مذہب اس کے متعلق یہ ہے کہ بوسہ دیئے بغیر اپنے ہاتھ کو منہ پر رکھے۔[3]

لیکن اگر اس کے لئے حجرِ اسود کو ہاتھ یا کسی اور چیز کے ساتھ چھونا ممکن نہ ہو یا اس نے خود ہی اسے نہ چھوا اور اس کی طرف ہاتھ یا کسی اور چیز کے ساتھ اشارہ کیا تو کیا وہ ہاتھ یا جس چیز کے ساتھ اشارہ کیا ہے اسے بوسہ دے گا یا نہیں؟

تو اس کے متعلق احناف[4] اور شوافع[5] کا مذہب یہ ہے کہ وہ ہاتھ یا جس چیز

---

[1] الأم ۲/ ۱۷۱۔ الأزرقی ۱/ ۳۳۳۔ مصنف عبدالرزاق ۵/ ۴۰۔ سنن البیہقی ۵/ ۷۵۔

[2] مناسک ملا علی القاری ص ۸۹۔ المجموع ۸/ ۳۳۔ حاشیہ ابن حجر ہیتمی علی مناسک النووی ص ۲۱۸۔ کشاف القناع ۲/ ۴۷۸۔

[3] شرح الخرشی علی خلیل ۲/ ۳۲۶۔ [4] مناسک الامام علی القاری ص ۸۹

[5] المجموع ۸/ ۳۳۔ حاشیہ ابن حجر ہیتمی علی مناسک النووی ص ۲۱۸

کے ساتھ اشارہ کیا ہے اسے بوسہ دے۔ جبکہ مالکی[1] کہتے ہیں کہ اگر حجرِ اسود کو منہ کے ساتھ بوسہ دینا اس کے لئے ممکن نہ ہو یا اس نے اسے ہاتھ کے ساتھ چھوا ہو یا لکڑی یا عصا کے ساتھ چھوا ہو تو وہ جب اس کے برابر (سامنے) آئے تو تکبیر کہے اور اپنے ہاتھ بلند نہ کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ اشارہ کرے۔

مالکیوں میں سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اشارے کے ساتھ بوسہ دینے کو بھی اختیار کیا ہے۔

جبکہ حنابلہ[2] کا اس کے متعلق یہ مذہب ہے کہ جس چیز کے ساتھ اس نے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کیا ہے اگر وہ حجرِ اسود سے مس نہ کرے تو اسے بوسہ نہ دے۔ اور انہوں نے اپنے قول کی تعلیل یہ کی ہے کہ وہ اسے پہنچا ہی نہیں ہے۔

جو بوسہ دینے کے قائل ہیں ان کی دلیل وہ ہو سکتی ہے جس سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ[3] نے استدلال کیا ہے، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

"اذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم"۔[4]

جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اس میں سے جتنا کر سکتے ہو وہ کرو۔

امام علی القاری نے مناسک میں قیاس سے استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"اشارہ کرنا ہاتھ رکھنے کے قائمقام ہے، تو اصل کے مطابق بوسہ دینا بدل میں مبدل منہ سے متفرع ہوگا"۔[5]

---

1. الشرح الکبیر ۴/۴۱۔ الخرشی ۲/۳۲۶
2. کشاف القناع ۲/۴۷۹
3. المجموع ۸/۳۳۔ حاشیہ ابن حجر ہیتمی علی مناسک النووی ص ۲۱۸
4. صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۱۳/۲۵۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج ۲/۹۷۵۔
5. مناسک علی القاری ص ۸۹

مسئلہ نمبر ۷: اگر حجرِ اسود کو نہ چھو سکا تو منہ کے ساتھ بوسے کا اشارہ نہ کرنا

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اگر طواف کرنے والے کے لئے حجرِ اسود کو استلام کرنا آسان نہ ہو یا اس نے خود سے اسے ترک کر دیا تو جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے وہ اس کی طرف اپنے ہاتھ یا عصا کے ساتھ اشارہ کرے۔ لیکن منہ کے ساتھ بوسہ دینے کا اشارہ نہ کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اور اس وجہ سے کہ منہ کے ساتھ بوسے کا اشارہ کرنا قبیح فعل ہوتا ہے"۔[1]

مسئلہ نمبر ۸: حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے وقت آواز بلند نہ کرنا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فائدہ: بوسہ دیتے وقت مستحب امر یہ ہے کہ اس کی آواز بلند نہ کرے۔

امام فاکہی[2] نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

جب تو حجرِ اسود کو بوسہ دے تو اس وقت اپنی آواز اس طرح بلند نہ کر جیسے عورتوں کو بوسہ دیتے وقت بلند کی جاتی ہے۔[3]

امام فاکہی[4] نے ہی حضرت عطاء سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

جب تو حجرِ اسود کو چھو کر ہاتھ کو بوسہ دے تو آواز پیدا مت کر۔

---

[1] مناسک النووی مع حاشیہ ابن حجر ہیتمی ص ۲۲۸

[2] الفاکہی ۱/۱۵۹

[3] فتح الباری ۳/۴۷۶

[4] الفاکہی ۱/۱۵۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۱۰۵

سوائے مالکیہ[1] کے مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام نے اس پر نص بیان کی ہے کہ حجرِ اسود کو بغیر ایسی آواز کے بوسہ دیا جائے جو سنی جا سکتی ہو۔

مالکیہ کے آواز پیدا کرنے کے متعلق دو قول ہیں:

(i) ایک قول اباحت کا ہے۔

(ii) ایک قول کراہت کا ہے۔

حطاب نے شرح مختصر خلیل میں ذکر کیا ہے کہ چند ایک کے علاوہ سب نے جواز کو ترجیح دی ہے۔[2]

مسئلہ نمبر ۹: حجرِ اسود کو چھونے کے بعد ہاتھ چہرے پر پھیرنے کا استحباب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"قدخلنا مكة حين ارتفاع الضحى فأتي يعني النبي صلى الله عليه وسلم باب المسجد فأنا خ راحلته ثم دخل المسجد فبدأ بالحجر فاستلم ...... ورمل ثلاثا ومشى أربعا حتى فرغ فلما فرغ قبل الحجر ووضع يديه عليه ثم مسح بهما وجهه"[3]

''ہم چاشت کے بلند ہونے کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے دروازے کی طرف آئے۔ اپنی سواری بٹھائی پھر مسجد میں داخل ہوئے اور حجرِ اسود کو چھونے کے ساتھ طواف کی ابتداء کی۔ تین چکر تیز چلے اور چار چکر درمیانی چال چلے حتیٰ کہ فارغ

---

[1] مناسک امام علی القاری ص ۸۹۔ مناسک نووی ص ۲۱۷۔ شرح منتھی الارادات ۲/۵۰

[2] مواہب الجلیل ۳/۱۰۸

[3] المستدرک ۱/۵۵، صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۲، ۲۱۳۔ سنن البیہقی ۵/۷۴۔ الترغیب والترہیب ۲/۱۹۵، ۱۹۶

ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور اپنے ہاتھ اس پر رکھے پھر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لئے"۔

امام فاکھی نے حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب حجرِ اسود کو استلام کرتے تو اپنا ہاتھ لمبائی کے رخ اپنے چہرے پر پھیرتے تھے"۔[1]

حضرت محمد بن مرتفع سے مروی ہے کہ:

"آپ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ استلام کرتے تو اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے"۔[2]

حضرت معمر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ استلام کرنے کے بعد اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتے اور پھر اسے کثرت سے اپنے چہرے پر پھیرتے تھے"۔[3]

حضرت حمید بن حبان سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب آپ حجر اسود کو استلام کرتے تو اپنا ہاتھ اپنی پیشانی اور گال پر رکھتے تھے"۔[4]

مذاہب اربعہ کے فقہاءِ کرام کا اس چیز کے مستحب ہونے پر اتفاق ہے۔

---

[1] الفاکھی ۱/۱۰۶۔

[2] مصنف عبدالرزاق ۵/۴۲۔ الفاکھی ۱/۱۰۶، ۱۱۴۔

[3] مصنف عبدالرزاق ۵/۴۲۔ الفاکھی ۱/۱۱۵

[4] الفاکھی ۱/۱۱۵

مسئلہ نمبر ۱۰: عدمِ استلام کی صورت میں ہاتھوں کو بلند کر کے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرنا

فاکہی اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"استلامِ حجرِ اسود کے وقت ہاتھوں کو بلند کیا جائے گا"۔[1]

عبدالعزیز بن اُبی رواد سے مروی ہے کہ:

"انہوں نے حضرت طاوس کو دیکھا کہ جب وہ حجرِ اسود کے پاس سے گزرتے اور استلام نہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے تکبیر کہتے تھے"۔[2]

حضرت زید بن سائب سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ حجرِ اسود کے سامنے آتے اور استلام نہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے اپنے کندھوں کی طرف اشارہ کرتے"۔[3]

حضرت عبدالملک بن اُبی سلیمان سے مروی ہے کہ:

"انہوں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ حجرِ اسود کے سامنے آتے اور استلام نہ کرتے تو تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے"۔[4]

۱۔ اخبارِ مکہ ۱/۱۰۸۔ شرح معانی الآثار ۲/۱۷۸

۲۔ الفاکہی ۱/۱۰۷۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۱

۳۔ الفاکہی ۱/۱۰۶

۴۔ الفاکہی ۱/۱۰۷، ۱۰۸، مصنف عبدالرزاق ۵/۳۱۔ القری ص ۳۰۸

حضرت عطاء سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"اگر تو استلام نہ کرے تو ابتداء طواف اور آخر میں اپنے ہاتھ بلند کر"۔[1]

فقہاء احناف،[2] شوافع[3] اور حنابلہ[4] نے اس پر نص بیان کی ہے کہ عدم استلام کی صورت میں ہاتھوں کو بلند کر کے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرنا چاہئے ان کی دلیل گزشتہ آثار ہیں۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو ان کے متعلقہ قول کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ اس حالت میں ہاتھوں کو بلند کر کے اشارہ کرنے کے قائل نہیں"۔[5]

جہاں تک ہاتھوں کو بلند کرنے کی کیفیت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ شاگردِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اپنی ہتھیلیوں کی پشت اپنے چہرے کی جانب رکھے"[6]

امام محب طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنے کی کیفیت میں ظاہر چیز یہی ہے کہ وہ نماز میں تکبیر کہنے کی طرح ہی ہے۔ کیونکہ تکبیر میں اسکے خلاف کوئی طریقہ منقول نہیں ہے"۔[7]

---

1. الفاکہی ۱/۱۰۸
2. تبیین الحقائق ۲/۱۶۔ الجوہرۃ النیرۃ ص ۱۸۸۔ اللباب ۱/۱۸۴
3. العزیز شرح الوجیز ۷/۳۱۸، ۳۱۹۔
4. کشاف القناع ۲/۴۷۷
5. الشرح الکبیر ۲/۴۱۔ الخرشی ۲/۳۲۶۔
6. شرح معانی الآثار ۲/۱۷۸۔ تبیین الحقائق ۲/۱۶۔
7. القریٰ ص ۳۰۸

مسئلہ نمبر ۱۱: عورتوں کا حجرِ اسود کو استلام کرنا

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا استلام (چھونا) کرنا مستحب نہیں مگر اس صورت میں کہ مطاف خالی ہو رات کا وقت ہو یا کسی اور وقت۔ اس وجہ سے کہ اس میں ان کے لئے بھی ضرر ہے اور ان کی وجہ سے مردوں کے لئے بھی ضرر ہوتا ہے"۔[1]

احناف کی نصوص کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور مالکی[2] و حنبلی[3] بھی اسی کے قائل ہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی رائے تھی کہ عورتیں مطاف کے خالی ہونے کے وقت استلام کریں۔ اور جو عورت استلام کرنے کے لیے ہجوم کرتی تھی آپ رضی اللہ عنہا اسے ڈانٹا کرتی تھیں۔ اس چیز کے متعلق آپ رضی اللہ عنہا سے بہت سارے آثار مروی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

"آپ رضی اللہ عنہا مردوں سے الگ طواف کیا کرتی تھیں۔ ان سے خلط ملط نہیں ہوتی تھیں۔ ایک عورت نے کہا۔ اے امّ المومنین! چلیں استلام کرتی ہیں۔ تو فرمایا تو خود چلی جا اور انکار فرمایا"۔[4]

---

[1] المجموع ۸/۳۴

[2] شرح الخرشی ۲/۳۲۷

[3] کشاف القناع ۲/۴۷۷

[4] صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۴۷۹، ۴۸۰

فاکھی کی روایت میں ہے کہ:

ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طواف کیا۔ جب حجر اسود کے پاس آئی تو عرض کی۔ اُم المؤمنین کیا آپ استلام نہیں کریں گی؟ تو ارشاد فرمایا: عورتوں کے لئے حجر اسود کو استلام کرنا نہیں ہے۔ پاس سے گزر جا۔[۱]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نے روایت کیا ہے کہ:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ آپ کے پاس آئی اور عرض کی۔ میں نے طواف کے سات چکروں میں تین مرتبہ حجرِ اسود کو استلام کیا ہے۔ تو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا نہ کرے۔ ایسا دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ تو مردوں سے مزاحمت کرتی ہے۔ تو نے ایسا کیوں نہ کیا کہ تکبیر کہتی اور گزر جاتی"۔[۲]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے فرمایا۔ حجرِ اسود پر مزاحمت مت کر۔ اگر تو تنہائی دیکھے تو استلام کر۔ اور اگر ہجوم ہو تو جب حجرِ اسود کے سامنے آئے تو تکبیر و تہلیل کہہ اور کسی کو تکلیف مت دے"۔[۳]

امام فاکھی اور ازرقی نے حضرت مثنی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عطاء کو دیکھا کہ جب کوئی عورت حجر اسود کو استلام کرنے کا ارادہ کرتی تو وہ چیخ کر اسے ڈانٹ دیتے اور فرماتے۔ اپنا ہاتھ ڈھانپ لے۔ عورتوں کے لیے حجرِ اسود کو استلام کرنا نہیں

---

۱ الفاکھی ۱/۱۲۲

۲ الام ۲/۱۷۲۔ الفاکھی ۱/۱۲۲۔ السنن الکبری للبیہقی ۵/۸۱

۳ شفاء الغرام للفاسی ۱/۱۷۳

ہے"۔[1]

مسئلہ نمبر۱۲: حجرِ اسود پر بغیر کسی کو تکلیف دیئے ہجوم کرنا اور بوسہ دینا

گزشتہ صفحات میں حجرِ اسود کو استلام کرنے اور بوسہ دینے کی ترغیب اور اس کا ثواب اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہاں ہجوم ہو تو اسے استلام کرنے کی کوشش کرنے والا کس حد تک کوشش کرے؟

جواب: حجرِ اسود کو استلام کرنے اور اسے بوسہ دینے کے لیے اس حد تک کوشش کرنی چاہیے کہ نہ تو وہ کسی کو تکلیف پہنچائے اور نہ خود اسے تکلیف پہنچے اگر ایسا نہ کیا تو وہ حرام کام کا مرتکب ہو گا۔ کیونکہ استلام کرنا سنت ہے اور تکلیف پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔ ایسے ہی اگر طواف کرنے والے کو اچانک استلام کرنے کا موقع مل گیا تو وہ استلام کر لے ورنہ تکبیر و تہلیل کہے اور طواف جاری رکھے۔

اسی پر مذاہب اربعہ کے فقہاءِ کرام نے نص بیان فرمائی ہے[2]

اس بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ اور آثار آئے ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے ایسے آثار مروی ہیں کہ جن کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں مزاحمت پر ابھارا گیا ہے اگرچہ اس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ اگر ان میں غور و فکر کیا جائے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تکلیف نہ پہنچانے کے ساتھ مقید ہیں۔

ذیل میں ان میں سے کچھ آثار کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے گا تا کہ گزشتہ توجیہہ کی وضاحت ہو سکے۔

---

1 الفاکہی ۱/۱۲۳۔ الأزرقی ۱/۳۳۷

2 البحر الرائق ۲/۳۵۱۔ شرح الخرشی ۲/۳۴۷۔ مناسک النووی ص ۲۱۷۔ کشاف القناع ۲/۴۷۸۔

وہ نصوص جن میں تکلیف پہنچانے کے ساتھ مزاحمت کرنیکی نہی آئی ہے

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا۔

"یا عمر اِنك رجل قوی لا تزاحم علی الحجر فتؤذی الضعیف۔ اِن وجدت خلوۃ فاستلمه والا فاستقبله فھلل وکبّر"۔[1]

"اے عمر رضی اللہ عنہ! آپ طاقتور آدمی ہیں۔ تو حجراسود پر مزاحمت مت کریں کہ کمزور کو تکلیف پہنچائیں۔ اگر آپ تنہائی پائیں تو استلام کریں وگرنہ حجرِاسود کے سامنے آئیں اور تکبیر و تہلیل کہیں"۔

اُزرقی نے حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کشادگی پاتے تو استلام کرتے اور جب ہجوم زیادہ ہوتا تو جب بھی حجرِاسود کے سامنے آتے تکبیر کہتے"۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مزاحمت کرنے کی کراہت مروی ہے۔ اس طرح کہ آپ نے فرمایا:

"لا یوذِی ولا یوذٰی"[3]

"کہ نہ وہ تکلیف پہنچائے اور نہ اسے تکلیف پہنچائی جائے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے یہ بات پسند ہے کہ وہ شخص جو حجرِاسود (کو استلام کرنے کے

---

[1] مسند احمد ۱/۲۸۔ مجمع الزوائد ۳/۲۴۱۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۶۔ لأزرقی ۱/۳۳۴ سنن البیہقی ۵/۸۰

[2] لأزرقی ۱/۳۳۴۔

[3] الفاکھی ۱/۱۳۰، ۱۳۱۔ ابن حجر فی الفتح ۳/۴۷۵

لیے اس) پر مزاحمت کرتا ہے وہ اس سے ہاتھ پھیلا کر نجات پالے۔ نہ اسے اجر ملے اور نہ اسے گناہ ہو"۔[1]

وجہ یہی ہے کہ حجرِ اسود کو استلام کرنے سے جتنا ثواب حاصل ہونا ہے مزاحمت کی وجہ سے اس سے زیادہ گناہ اسے ملے گا۔

حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ:

"آپ حجرِ اسود کے پاس سے لوگوں کو دور ہٹانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس سے بہت زیادہ روکا کرتے تھے اور کہتے تھے۔ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے سے بچو"۔[2]

حضرت عطاء سے ہی مروی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"تکبیر کہنا اور کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچانا میرے نزدیک حجر اسود کو استلام کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے"۔[3]

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حجرِ اسود پر مزاحمت مت کر مگر اس وقت کہ جب تنہائی ہو"۔[4]

وہ نصوص جن کا ظاہر حجرِ اسود پر مزاحمت کی ترغیب دیتا ہے اگر چہ اذیت ہی ہو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح" میں حضرت زبیر بن عربی سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

---

[1] الفاکھی ۱/۱۳۰، ۱۳۱۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۶۔

[2] الفاکھی ۱/۱۲۸

[3] الفاکھی ۱/۱۳۲۔

[4] الفاکھی ۱/۱۳۲۔

"ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے استلام حجرِ اسود کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے عرض کی کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مجھ سے مزاحمت کی جائے یا مجھ پر غلبہ پا لیا جائے؟ تو فرمایا کہ میرے خیال کو یمن میں رکھو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے"۔[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ "میرے خیال کو یمن میں رکھو" اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ سائل یمنی تھا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہجوم کو ترک استلام میں عذر نہیں سمجھتے تھے"۔[2]

امام سندی رحمۃ اللہ علیہ سنن نسائی پر لگائے گئے اپنے حاشیے میں اس قول کہ "آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مجھ سے مزاحمت کی جائے یا مجھ پر غلبہ پا لیا جائے" اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

"اس کی مراد یہ تھی کہ کیا میں اسے ترک کر دوں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ سنتوں کے طالب کو اپنی طرف سے یہ سوال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جو سنت کو ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ چیز سنت ہے تو حرام فعل مثلاً مسلمانوں کو تکلیف دینے کا ارتکاب کئے بغیر جہاں تک ممکن ہو سکے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا جب

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج ۳/۴۷۵۔

[2] فتح الباری ۳/۴۷۶

وہ اس بات کا ارادہ کرلے تو اسے حاصل کرنے میں ہجوم وغیرہ اسے نہ روکے"۔[1]

سعید بن منصور نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حجرِ اسود پر مزاحمت کرتے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ انہیں خون بہنے لگا"۔

ایک اور طریق سے روایت ہے کہ:

"آپ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دل اس کی طرف مشتاق ہوتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی ان کے ساتھ ہو"۔[2]

امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ما ترکت استلام هذين الركنين. الحجر واليماني. في شدة ولارخاء منذ رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمها"[3]

"میں نے تنگی وفراخی کسی حالت میں ان دونوں رکنوں یعنی حجرِ اسود اور رکن یمانی کا استلام ترک نہیں کیا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کو استلام کرتے دیکھا ہے"۔

---

1. حاشیہ السندی علی سنن النسائی ۵/۲۳۱
2. ابن حجر فی الفتح ۳/۴۷۶
3. صحیح بخاری ۳/۴۷۱۔ صحیح مسلم ۲/۹۶۴

حضرت طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے حجرِ اسود کے استلام کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اے بھتیجے! اسے استلام کیا کر اور اس پر مزاحمت کر۔ کیونکہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس پر مزاحمت کرتے دیکھا ہے حتیٰ کہ انہیں خون بہنے لگا''۔[1]

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حجرِ اسود اور رکن یمانی (کے استلام) کو چھوڑا نہیں کرتے تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ حجرِ اسود پر مزاحمت کے دوران انہیں تین دفعہ نکسیر پھوٹی۔ جب بھی نکسیر پھوٹتی اسے دھو لیتے اور اسے استلام کرنے تک ترک نہ کرتے''۔[2]

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن اَبی حرہ الجزری نے بیان فرمایا، فرماتے ہیں کہ:

''میں اور حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حجرِ اسود پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے مزاحمت کرتے تھے حتیٰ کہ وہ استلام کر لیتے''۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کا قول ہے کہ:

''حضرت سالم رضی اللہ عنہ اگر اونٹ سے بھی مزاحمت کرتے تو اسے پچھاڑ دیتے''۔[3]

---

[1] الفاکھی ۱/۱۲۹، ۱۳۰۔ الازرقی ۱/۳۳۳۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۵

[2] الفاکھی ۱/۱۳۱۔ الازرقی ۱/۳۳۲۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۵

[3] الفاکھی ۱/۱۳۱۔ الازرقی ۱/۳۳۳۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۵

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''حجرِ اسود کے پاس حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی آنکھ زخمی کر دی تو اسے کہا کہ اے آدمی! میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہوں اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو مجھ سے بدلہ لے لینا''۔[1]

مذکورہ بالا آثار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مزاحمت پر دلالت کرتے ہیں سوائے آخری کے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم استلام حجرِ اسود کی سنت کو حاصل کرنے کی لئے بیت اللہ شریف کے پاس مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں حالانکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں بہت زیادہ شدت اختیار کرتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صریح اثر مروی ہے جس میں ایسی مزاحمت جو تکلیف پہنچانے والی ہے اس کی نہی وارد ہے اور جو مذکورہ بالا آثار کو مقید کرتا ہے۔ اور ان کے ظاہر میں جو اختلاف ہے اس کی تطبیق کرتا ہے۔

امام فاکھی رحمۃ اللہ علیہ نے جمیل بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دوپہر کے وقت طواف کرتے دیکھا۔ حجرِ اسود پر لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ انہوں نے ایک عورت کو دھکیلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیوں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو۔ تم بھلائی کی چاہت میں آئے ہو۔ تو جو اسے استلام کر سکتا ہو کر لے اور جس کے لئے ممکن نہ ہو وہ اپنا طواف مکمل کر لے''۔[2]

آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور اثر مروی ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی خطا کی

---

[1] الفاکھی ۱/۱۳۲

[2] الفاکھی ۱/۱۲۹۔

تصریح کی ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے مزاحمت کی اور خون نکل آیا۔

امام ازرقی نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں رکنوں کا استلام کسی حالت میں نہیں چھوڑتے تھے چاہے ہجوم ہو یا کچھ اور ہو۔ حتیٰ کہ میں نے ایک دن انہیں دیکھا کہ یوم نحر کو ہم پر مزاحمت ہوئی تو انہیں خون بہنے لگا۔ تو فرمایا کہ اس مرتبہ ہم نے خطا کی ہے''۔[1]

ان آثار کے مطابق گزشتہ آثار میں جو گزر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مزاحمت کرتے تھے حتیٰ کہ خون بہنے لگتا اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے اس میں خطاء کی۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود پر ایسی مزاحمت جو تکلیف پہنچانے والی ہو اس سے منع فرمایا ہے۔ اس طرح ان آثار کے درمیان تطبیق ہو گی۔

علاوہ ازیں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک خاص طریقہ اور منہج ہے جسے اور کوئی لازم نہیں پکڑتا۔ وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سنن، مستحبات اور عادات چاہے چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اور ہجوم وغیرہ میں انہیں کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے آپ پر بہت سختی کیا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی چاہت کو حاصل کر لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے ایسا خیال نہیں کرتے تھے۔ اور ہر کسی کی ایک قابل توجہ چیز ہوتی ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

حجرِ اسود کے استلام کے لئے مزاحمت کے ذکر کی مناسبت سے ایک بات ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہجوم کو روکنے اور اس میں تخفیف کرنے کے لیے مناسب حل

[1] الازرقی ۱/۳۳۳

وہی ہے جو ان آخری دنوں میں دیکھنے میں نظر آیا ہے کہ سپاہیوں کی موجودگی میں مناسب تعداد کو منظم، طریقے سے استلام کروایا جائے۔ کیونکہ عوام الناس کو بادشاہ کا ڈنڈا ہی سیدھا رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سچ ہی فرمایا ہے کہ:

"جتنا قرآن کریم کے سبب سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے اس سے زیادہ بادشاہ کے سبب سے روکتا ہے"۔[1]

یہ تنظیم دن رات کے ہر حصے میں ہمہ وقت قائم رہنی چاہیے خصوصاً اس وقت جب ہجوم زیادہ ہو۔ اس طریقے سے ہر چھوٹے بڑے، کمزور طاقتور اور مرد و عورت کے لیے حجرِ اسود کو استلام کرنا آسان ہوگا۔ اور یہ مشکل بھی حل ہوگی اور اس سے جو تکلیف اور فتنہ پیدا ہوتا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۳: حجر اسود کو استلام کرتے وقت یا اشارہ کے وقت کیا کہا جائے

پیچھے گزر چکا ہے کہ دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ حجرِ اسود کو استلام کرتے وقت دعا مانگی جائے۔ بہت سے آثار و احادیث مبارکہ ان دعاؤں اور اذکار کے بارے میں مروی ہیں جو حجرِ اسود کے استلام کے وقت مانگی جاتی ہیں۔ ان کو اختیار کرنا اور ان کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہے کیونکہ وہ ماثورہ دعائیں ہیں۔

حجرِ اسود کو استلام کرنے والے کو چاہیے کہ ان میں سے جو ممکن ہو ان کو اختیار کرے اور اگر سارے طواف کے دوران یہی اختیار کرے تو زیادہ افضل ہے۔ اور ان میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا مانگنا چاہے تو وہ تو پھر اضافی چیز ہے لیکن ان دعاؤں اور اذکار کی فضیلت تو اپنی جگہ قائم ہے۔

[1] تاریخ خطیب بغدادی ۴/۱۰۸

ان اذکار اور دعاؤں میں سے کچھ ایسی ہیں جنہیں طواف کرنے والا طواف کے ہر چکر میں استلام کے وقت اختیار کرتا ہے۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حجرِ اسود کے پاس تشریف لاتے۔ کسی چیز کے ساتھ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوتی اس کی طرف اشارہ فرماتے اور تکبیر کہتے"۔[1]

تنبیہ..

یہاں اس بات کی تنبیہ ضروری ہے کہ ان دعاؤں اور اذکار کو اختیار کرنے کے لئے حجرِ اسود کے پاس ٹھہرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہجوم کے وقت حجرِ اسود کے پاس ٹھہرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس کی طرف اشارہ کرنا چاہیے۔ تو باخبر مسلمان اس بات کا حریص ہوتا ہے کہ وہ اس ہجوم میں زیادتی کا سبب نہ بنے جو طواف کرنے والے مسلمان کو تکلیف پہنچانے کا باعث بنے اور ان کے چلنے میں رکاوٹ ہو۔

ایسے ہی حجرِ اسود کو استلام کرنے والا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والا طواف کی ابتداء میں دعا و اذکار کی ابتدا کرے اور دوران طواف بغیر ٹھہرے انہیں مکمل کرے۔

پھر وہ آدمی جو طواف کی ابتداء کرنے والا نہیں ہجوم کے وقت اس کا حجرِ اسود کے پاس ٹھہرنا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ اس سے وہ عطائیں فوت ہوتی ہیں جو سنت ہیں اور طواف کے چکروں کے درمیان اسے حاصل ہوتی تھیں۔[2]

---

[1] صحیح بخاری ۳/۴۷۶

[2] مناسک ملا علی القاری ص ۹۱

چند ماثورہ دعائیں اور اذکار

ذیل میں ماثورہ دعائیں اور اذکار ذکر کئے جائیں گے جو حجرِ اسود کو استلام کرتے وقت یا اس کی طرف اشارہ کرتے وقت اختیار کرنی چاہئیں۔

(i) اللہ اکبر

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"طاف النبی ﷺ بالبیت علی بعیر کلما أتی الرّکن أشار إلیه بشیء کان عندہ و کبّر"[۱]

"نبی کریم ﷺ نے اونٹ پر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ جب بھی آپ ﷺ حجرِ اسود کے پاس تشریف لاتے تو جو چیز آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتی اس کے ساتھ حجرِ اسود کی طرف اشارہ فرماتے اور تکبیر کہتے۔ (یعنی اللہ اکبر کہتے۔)"

(ii) بسم اللہ واللہ اکبر إیمانا باللہ و تصدیقا بما جاء به رسول اللہ ﷺ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الأم" میں حضرت ابن جریج سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! جب ہم حجرِ اسود کو استلام کریں تو کیا کہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قولوا بسم اللہ واللہ اکبر إیمانا باللہ و تصدیقا بما جاء به

---

[۱] صحیح بخاری ۳/۴۷۴۔

رسول اللہ ﷺ"۔[۱]

"کہا کرو اللہ نام سے شروع اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے کی تصدیق کرتے ہوئے"۔

(iii) اللهم ايمانا بك وتصديقا بكتابك وسنة نبيك ثم يصلي علي النبي ﷺ

"مروی ہی کہ یہ ذکر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی حجرِ اسود کو استلام کیا کرتے تھے اس وقت کیا کرتے تھے"۔[۲]

(iv) بسم الله والله اكبر

یہ ذکر بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے۔[۳]

(v) ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جب حجرِ اسود کو استلام کیا کرتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔[۴]

(vi) بسم الله والله اكبر علي ما هدانا لا اله اِلّا الله وحده لا شريك له آمنت بالله وكفرت بالطاغوت وباللات والعزى وما يدعى من دون الله اِنّ وليّي الله الذى نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين۔

۱۔ الأم ۲/۱۷۰

۲۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں (۳/۲۴۰) میں ذکر کیا ہے کہ رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح۔

۳۔ الفاکہی ۱/۱۰۲ الأزرقی ۱/۳۳۹۔ سنن البیہقی ۵/۷۹۔ وصحح اسنادہ النووی فی المجموع ۸/۳۱۔ ابن حجر فی التلخیص الحبیر ۲/۲۴۷

۴۔ الفاکہی ۱/۱۰۰

مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب استلام حجر کے لیے تکبیر کہتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔[۱]

(vii) آمنت باللّٰہ و کفرت بالطاغوت

یہ دعا بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[۲]

(viii) لا الٰہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر اللھم تصدیقا بکتابك و سنة نبیك صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جب استلام کیا کرتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔[۳]

(ix) صلی اللّٰہ علی محمد و علی أبینا ابراھیم علیہ السلام

امام فاکہی نے حضرت ابن اَبی عمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:
حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے فلاں سال حج کیا (راوی کو سال یاد نہیں ہے) تو حجرِ اسود کے پاس اکثر لوگ یہی الفاظ زیادہ تر کہتے تھے کہ:

"صلی اللّٰہ علی محمد و علی أبینا ابراھیم علیہ السلام"

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ آج کل آپ یہ الفاظ کہتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں! جب مجھے یاد آجائیں تو میں کہتا ہوں۔[۴]

(x) امام ابو جعفر الباقر محمد بن علی بن حسین بن علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ جب حجرِ اسود کو استلام کرتے تو یہ فرماتے تھے:

"اللھم امانتی أدیتھا و میثاقی و فیت بہ یشھد لی عندك بالو فاء"[۵]

---

۱ الازرقی ۱/۳۳۹
۲ الفاکہی ۱/۹۹
۳ مصنف عبدالرزاق ۵/۳۳
۴ الفاکہی ۱/۱۰۴ ۵ الفاکہی ۱/۷۵

مسئلہ نمبر ۱۴: حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت کن چیزوں کا لحاظ رکھنا بہتر ہے

جو شخص حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا ارادہ کر لے اِس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت اس کے عظیم فضائل کے لحاظ رکھے۔ وہ فضائل یہ ہیں کہ یہ پتھر زمین پر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کے قائمقام ہے اور جنتی یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے اور دیگر فضائل و خصائص۔ اور جتنی تعظیم و احترام کا حق ضروری ہے وہ بھی پورا کرے اور اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کے سبب جو عظیم انعام کیا ہے اسے یاد کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔

اسے بوسہ دینے والے کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اس جگہ اپنے ہونٹ رکھے گا جہاں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے لب ہائے مبارک رکھے اور وہ اس جگہ کو چھوئے گا جسے ان پاکیزہ ہستیوں کی مقدس ہتھیلیوں نے چھوا۔ اس طریقے سے ان مقدس ہستیوں کی ہیبت و احوال اس کے ذہن میں آئیں گے اور وہ صورۃً و معنیً ان کی پیروی کرے گا۔

یہ چیز بھی معلوم ہونی چاہیے کہ حجرِ اسود اس آدمی کی گواہی بھی دے گا اور سفارش بھی کرے گا جس نے اسے حق اور وفاء کے ساتھ چھوا۔ تو اُسے کوشش کرنے چاہیئے کہ وہ! خلوص نیت اور اطاعت الٰہی کے ساتھ چھوئے۔

اس کے پاس اسی طرح آنسو بہانے چاہئیں جیسے نبی اکرم ﷺ نے اسے بوسہ دیتے وقت بہائے تھے۔

ایسے ہی ان عظیم نشانیوں اور فضائل جلیلہ کو بھی ذہن میں لانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے اس حجر مکرم کو ودیعت فرمائے ہیں۔

باب چہارم

رکن یمانی کے استلام کے متعلق فقہی احکام

تعریف رکن یمانی

رکن یمانی سے مراد وہ کونہ ہے جو حجرِ اسود والے کونے کے سامنے دائیں جانب ہے۔ یہ خانہ کعبہ کا جنوب مغربی کونہ ہے۔ اور یہ دونوں کونے (رکن) ان ابتدائی بنیادوں پر قائم ہیں جنہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بلند فرمایا، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل"(البقرۃ:۱۲۷)

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے''۔

اس کے برعکس دوسرے دونوں کونے رکن شامی اور رکن عراقی جو حجرِ اسود سے متصل ہیں وہ ان بنیادوں پر نہیں ہیں جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلند فرمایا۔

رکن یمانی کو یمن کی نسبت سے یمانی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کونہ یمن کی سمت میں واقع ہے۔

آج کل خانہ کعبہ کے پردے سے اس رکن کی جانب تقریباً انسان کے قد

کے مطابق کچھ حصہ کھلا ہوا ہے تا کہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے اس رکن کو بغیر کسی رکاوٹ کے استلام کریں۔

فضائل رکن یمانی

پیچھے گزر چکا ہے کہ رکن یمانی خانہ کعبہ کا وہ رکن ہے جو کعبۃ اللہ کی ان ابتدائی بنیادوں پر قائم ہے جنہیں نبی اللہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بلند فرمایا تھا۔ اس مقام کی فضیلتیں بے شمار ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"ما أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك استلام الركنين اللذين يليان الحجر الا أن البيت لم يتم على قواعد ابراهيم عليه السلام"۔[1]

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ان دونوں رکنوں کا استلام ترک کرتے نہیں دیکھا جو حجرِ اسود سے ملے ہوئے ہیں مگر یہ کہ بیت اللہ شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پورا نہیں کیا گیا تھا۔

رکن یمانی کے عظیم فضائل میں سے ایک چیز یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے چھوا ہے۔ اور آپ ﷺ اکثر ایسا کیا کرتے تھے۔ تو یہ چیز مشروعِ سنت نبوی سے ثابت شدہ ہوگئی۔

اسے چھونا خطاؤں کے خاتمے اور کفارے کا سبب ہے۔ اور اس چیز میں یہ حجرِ اسود کے ساتھ شریک ہے۔ جیسا کہ پیچھے حدیث مبارکہ گزر چکی ہے۔[2]

رکن یمانی دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے جیسا کہ پیچھے حدیث

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج باب فضل مکہ ۳/۴۳۹۔

[2] سنن الترمذی ۳/۲۹۲

مبارکہ گزر چکی ہے۔[۱]

رکن یمانی کے متعلق بعض فقہی مسائل

جب ہم نے حجرِ اسود، اس کے استلام اور اسے بوسہ دینے کے متعلق کلام کر لیا تو مناسب یہ ہے کہ چند فقہی فروعات وہ بھی ذکر کر دی جائیں جو رکن یمانی کے استلام کے حکم سے متصل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق بہت سوال کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی لحظہ نہیں ہوتا کہ اس مبارک رکن یمانی کو استلام کرنے اور اس کی طرف اشارہ کرنے والا نہ ہو۔ اور اس عمل سے وہ خیرات و برکات کا امیدوار ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ا

دورانِ طواف ہاتھ کے ساتھ رکن یمانی کو استلام کرنا سنت

مذاہب اربعہ کے آئمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طواف کے دوران رکن یمانی کو استلام کرنا سنت ہے۔ طواف کرنے والا چاہے دونوں ہتھیلیوں سے چھوئے یا دائیں ہاتھ سے۔ رسول نبی کریم ﷺ کی اقتداء اور اجر عظیم کے حصول کی چاہت میں ایسا کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"لم أر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یمسح من البیت إلا الرکنین الیمانیین"۔[۲]

---

[۱] الأزرقی ۳۴۴/۱

[۲] صحیح بخاری ۴۷۳/۳۔ صحیح مسلم ۹۲۴/۲۔

"رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف کے صرف دونوں رکنوں (حجرِ اسود رکن یمانی) کو ہی چھوا کرتے تھے"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ:

"أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان لا يستلم إلا الحجر والركن اليماني"[1]

"نبی کریم ﷺ حجرِ اسود اور رکن یمانی کو ہی چھوا کرے تھے"۔

اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ:

"جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں رکنوں کو استلام کرتے دیکھا ہے یعنی حجرِ اسود اور رکن یمانی کو۔ تب سے میں نے ان کا استلام ترک نہیں کیا۔ چاہے تنگی ہو یا نہ ہو۔[2]

تنبیہ

یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ رکن یمانی کو استلام ہر چکر میں کرنا چاہیے جیسا کہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام نے اس پر نص بیان کی ہے۔

اس کی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يدع ان يستلم الركن اليماني والحجر في كل طوفة"۔

رسول اللہ ﷺ طواف کے کسی چکر میں رکن یمانی اور حجرِ اسود کا استلام ترک نہیں کرتے تھے۔

---

1. صحیح مسلم ۲/۹۲۴۔
2. صحیح بخاری ۲/۹۲۴۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فعل رہا کرتا تھا۔[1]

مسئلہ نمبر ۲

رکن یمانی کو بوسہ دینا

رکن یمانی کو ہاتھ کے ساتھ استلام کرنے کے ساتھ ساتھ بوسہ دینے کے استحباب اور مشروعیت میں نبی کریم ﷺ سے صریح حدیث مبارکہ مروی ہے۔

وہ حدیث مبارکہ ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں اور دیگر محدثین کرام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں:

''ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبّل الرکن الیمانی ووضع خدّہ علیہ''[2]

''رسول اللہ ﷺ نے رکن یمانی کو بوسہ دیا اور اپنا رخسار مبارک اس پر رکھا''۔

امام فاکھی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

''کان رسول اللّٰہ ﷺ یراوح بین خدیہ علی الرکن الیمانی یسأل اللّٰہ تعالیٰ الجنۃ ویتعوذ باللّٰہ من النار''۔[3]

''رسول اللہ ﷺ باری باری دونوں رخسار مبارک رکنِ یمانی پر رکھتے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے''۔

---

[1] سنن ابوداؤد ۲/۲۴۰۔ سنن نسائی ۵/۲۳۱۔ حدیث مبارکہ کا رتبہ حسن ہے۔
[2] صحیح ابن خزیمہ ۴/۲۱۷۔ سنن الدارقطنی ۲/۲۳۱۔ حدیث مبارکہ کا رتبہ حسن ہے۔
[3] الفاکھی ۱/۱۳۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۴۰

امام عمرو بن میمون الأودی[1] سے مروی ہے کہ:

"آپ رحمۃ اللہ علیہ رکنِ یمانی کو استلام کرتے اور اپنے رخسار اس پر رکھا کرتے تھے"۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق جو حدیث مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ اس مسئلہ میں نص ہے۔ اور وہ حدیث مبارکہ حسن ہے جس کو دلیل بنایا جاتا ہے۔ اور اگر اس حدیث مبارکہ پر ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے تو بھی جمہور محدثین اور علماء کرام فضائل اعمال میں ضعیف حدیث جبکہ موضوع نہ ہو اس پر عمل کرنے کے جواز بلکہ استحباب کے قائل ہیں۔[3]

جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

فقہاء کرام کا ایک گروہ رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کا قائل ہے۔ اقوال درج ذیل ہیں:

امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد رشید امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں رکنِ یمانی کے استلام کے ساتھ ساتھ بوسہ بھی دیا جا سکتا ہے اور اس میں بھی وہی کچھ کیا جا سکتا ہے جو حجرِ اسود کے متعلق آیا ہے۔

امام ابوالسعود نے "فتح المعین حاشیہ علیٰ شرح الکنز لملا مسکین"[4] میں امام شرنبلالی سے روایت کیا ہے۔ آپ نے امام محمد کا مذکورہ قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

---

[1] امام حجۃ۔ جب انہیں دیکھا جاتا تو اللہ تعالیٰ یاد آتا تھا (سیر اعلام النبلاء میں ان کا تعارف ہے ۴/۱۵۴)

[2] الفاکھی ۱/۱۴۷

[3] الأذکار للنووی ص ۷۔

[4] مختصر الطحاوی ص ۶۳۔ المبسوط للسرخسی ۴/۴۹۔ تبیین الحقائق ۲/۱۸ فتح القدیر ۲/۳۵۹۔ مناسک ملا علی القاری ص ۹۳۔ الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین ۲/۴۹۸۔

''یہی قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جیسا کہ ''البرھان'' میں ہے اور دلائل اس کی تائید کرتے ہیں''۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام محمد کا قول اختیار کیا ہے جیسا کہ آپ نے ''المختصر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔[۱]

امام حصکفی نے ''الدرالمختار'' میں ذکر کیا ہے کہ:

''رکنِ یمانی کو بوسہ دیئے بغیر استلام کرنا مندوب ہے۔ جبکہ امام محمد نے بیان کیا ہے کہ یہ چیز سنت ہے (یعنی بوسہ دینا) اور آپ رکنِ یمانی کو بوسہ دیتے تھے۔ اور دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔[۲]

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قول ''تائید کرتے ہیں'' ذکر کر کے فرمایا ہے کہ ان کے قول کے سنت ہونے کی تائید کرتے ہیں یعنی بوسہ دینا سنت ہے اور آپ اسے بوسہ دیا کرتے تھے متقدمین علماء کرام میں سے امام ابوبکر رازی الجصاص اور متاخرین میں سے ابن نجیم نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کیا ہے اس حدیث مبارکہ کی بنا پر جو رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔[۳]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الأم'' میں ذکر کیا ہے کہ:

''میں یہ پسند کرتا ہوں کہ رکنِ یمانی کو ہاتھ کے ساتھ استلام کر کے اس ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ رکنِ یمانی کو بوسہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجرِ اسود کے علاوہ کسی چیز کو

---

۱ فتح المعین ۱/۴۷۷

۲ المختصر ص ۶۳

۳ الدرالمختار ۲/۴۹۸ مع حاشیہ ابن عابدین۔ حاشیہ الطحاوی علی الدر ۱/۴۹۹

بوسہ دینے کے متعلق روایت کیا ہو۔ اور اگر بوسہ دے لیا تو کوئی حرج نہیں ہے''۔[1]

متاخرین شافعی فقہاء کرام میں سے امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حاشیہ مناسک النووی'' میں رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے جواز کی تصریح کی ہے۔[2]

شیخ محمد امین شنقیطی نے اپنی تفسیر ''أضواء البیان'' میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت ذکر کی ہے۔[3]

پھر ''المبدع لابن مفلح'' میں ہے کہ ''خرقی'' اور ''صاحب الارشاد ابن ابی موسیٰ'' نے رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کو جزماً بیان کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق روایت آئی ہے۔[4]

المرداوی نے ''الانصاف'' جو کہ حنابلہ کی معتمد کتب میں سے ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ ''رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کی دو صورتیں ہیں''۔[5]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ جمہور رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے قائل نہیں اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ ''بعض کے نزدیک اسے بوسہ دینا مستحب ہے''۔[6]

علامہ شیخ محمد ملا فروخ جو کہ گیارہویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے

---

1. البحر الرائق ۲/۳۵۵۔ شرح مختصر الطحاوی للجصاص ۱/۷۰۰
2. حاشیہ ابن حجر ہیتمی علی مناسک نووی ص ۲۴۶۔
3. أضواء البیان ۵/۲۱۷
4. المبدع ۳/۲۱۶
5. الانصاف ۴/۷
6. فتح الباری ۳/۴۷۵۔ مناسک ملا علی ص ۹۳۔ الشرح الکبیر ۲/۴۰، ۴۱۔ کشاف القناع ۲/۴۷۹۔ المجموع للنووی ۸/۳۴۔ ہدایۃ الناسک ص ۸۱۔ أضواء البیان ۵/۲۱۷۔

رکنِ یمانی کو بوسہ دینے کے جواز میں ایک کتابچہ تصنیف کیا ہے جو تقریباً پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اُس کا نام ''اِعلام القاصی والدانی بجواز تقبیل الرکن الیمانی'' ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں وسعت ہے۔ اور جو رکنِ یمانی کے استلام کے وقت اسے بوسہ دیتا ہے اس کا انکار نہیں کیا جائیگا بلکہ اسے بوسہ دینے کے قائلین کے پاس دلیل ہے۔

مسئلہ نمبر ۳

رکنِ یمانی کے استلام کے بعد ہاتھ کو بوسہ دینا

طواف کرنے والا جب رکنِ یمانی کو اپنے ہاتھ کے ساتھ چھوئے تو کیا وہ اپنے ہاتھ کو بوسہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

شوافع، ایک قول کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ کو بوسہ دینے کے قائل ہیں۔[1]

اس بارے میں ان کی دلیل وہ روایات ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں کہ وہ جب رکنِ یمانی کو استلام کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت جابر، ابوسعید خدری، ابوھریرہ، ابن عمر، سعید بن مسیب، قاسم بن عمر، سالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر، مجاھد، عطاء اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضوان اللہ علیہم اجمعین![2]

---

1. فتح الباری ۳/۴۷۵۔ مناسک ملا علی ص ۹۳۔ الشرح الکبیر ۲/۴۰، ۴۱۔ کشاف القناع ۲/۴۷۹۔ المجموع للنووی ۸/۳۴۔ ہدایۃ الناسک ص ۸۱۔ أضواء البیان ۵/۲۱۷۔
2. الفاکھی ۱/۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۴۳، ۱۵۷، مصنف عبدالرزاق ۵/۴۲۔ لا زرقی ۱/۳۴۴

احناف مالکیہ اور حنابلہ کے مشہور اقوال کے مطابق ان کا مؤقف یہ ہے کہ استلام کریں اور ہاتھ کو بوسہ نہ دیں بلکہ بوسہ دیئے بغیر ہاتھ کو منہ پر رکھیں۔

مسئلہ نمبر۴

عدم استلام کے وقت رکنِ یمانی کی طرف اشارہ کرنا

جب طواف کرنے والا رکنِ یمانی کو استلام نہ کر سکے بھیڑ اور ہجوم کی وجہ سے یا خود ہی چھوڑ دے تو کیا اس کی طرف اسی طرح اشارہ کر سکتا ہے جیسے حجرِ اسود کی طرف کیا جاتا ہے یا نہیں؟

شوافع، حنابلہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمد کا مؤقف یہ ہے کہ جب استلام نہ کر سکے تو اس کی طرف اشارہ کرنا مستحب ہے۔[1]

جبکہ احناف عدم اشارہ کے قائل ہیں کیونکہ اشارہ کرنا اسے استلام کرنے کے قائمقام نہیں ہو سکتا۔[2]

مالکیہ کے نزدیک اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

فائدہ

جب طواف کرنے والا رکنِ یمانی کو استلام نہ کر سکے اور اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرے تو کیا حجرِ اسود پر قیاس کرتے ہوئے کیا اس وقت بھی ہاتھ کو بوسہ

۱؎ اسنی المطالب ۱/۴۸۰۔ حاشیہ الہیتمی علی مناسک النووی ص ۲۴۷۔ المبدع شرح المقنع ۳/۲۱۷، شرح منتھی الارادات ۲/۵۱۔ مناسک ملا علی القاری ص ۹۳

۲؎ ہدایۃ الناسک ص ۸۱۔

دے گا یا نہیں؟

ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ نص جو حجرِ اسود کی طرف جس چیز کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے اسے بوسہ دینا ثابت کرتی ہے وہ اس چیز کو بھی شامل ہے جس کے ساتھ رکنِ یمانی کی طرف اشارہ کیا گیا۔ لیکن میرے نزدیک بہتر اس کے برعکس ہے کیونکہ حجرِ اسود زیادہ شرف و عزت کا حامل ہے تو یہ چیز اسی کے ساتھ خاص ہو گی۔

حجرِ اسود کی مدح میں کہے گئے اشعار

(۱) حضرت ابوطالب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور قصیدہ جس میں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کی ہے اس میں انہوں نے بیت الحرام، حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وبالبیت حق البیت من بطن مکة ۔۔۔ وباللہ اِن اللہ لیس بغافل

اور قسم ہے بیت اللہ کی! مکہ کی وادی میں بیت اللہ کا مخصوص حق ہے اور اللہ کی قسم! بے شک اللہ غافل نہیں ہے۔

وبالحجر المسود اِذ یمسحونه ۔۔۔ اِذا اکتنفوہ بالضحی والاصائل

اور حجرِ اسود کی قسم جب لوگ چاشت اور عصر و مغرب کے درمیانی وقت اسے چھونے کے لئے گھیرے ہوئے ہیں۔

وموطیٔ ابراهیم فی الصخر رطبة ۔۔۔ علی قدمیه حافیا غیر ناعل

اور چٹان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان جو گیلے ہیں اور ننگے پاؤں کے نشان ہیں انہیں ننگے پاؤں گھیرے ہوئے ہیں۔[۱]

---

[۱] سیرت ابن ہشام مع الروض الأنف ۱۳/۲

(۲) ادیب ابن نباتہ محمد بن محمد (م ۷۶۸ ہجری) نے اپنے قصیدہ جس میں انہوں نے اولا کعبہ مشرفہ کی تعریف بیان کی ہے پھر نبی اکرم ﷺ کی مدح کی ہے۔ اس میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ قصیدہ انہوں نے اپنے سفر نامہ "المجاز فی حقیقۃ الحجاز" میں نقل کیا ہے۔ اس میں حجرِ اسود کے بارے میں کہا ہے۔

ألم خالها المسود اضحى يفوق على الصباح المستطير

کیا تو نے خانہ کعبہ کا وہ سیاہ پتھر نہیں دیکھا جو چاشت کے وقت پھیلنے والی صبح پر بلند ہوتا ہے۔

تقبله الطوائف طائفات فيا شرف المباسم والثغور

طواف کرنے والے گروہ در گروہ اسے بوسہ دیتے ہیں تو کتنا ہی بڑا شرف ہے مونہوں کے لئے۔

تكون درة بيضاء لكن تسود من ذنوب اولى القصور

اسے سفید موتی تخلیق کیا گیا لیکن گناہوں والوں کے گناہوں کی وجہ سے یہ سیاہ پڑ گیا۔

اقبله لعل فمي يلاقي مكانا فاز بالهادى البشير

میں نے اسے بوسہ دیا کہ شاید میرا منہ اس جگہ لگے جو نوازی گئی ہدایت والی اور خوشخبری سنانے والی ہستی سے۔

محمد الذي ساد البرايا وأخجل طلعة القمر المنير

یعنی سیّدنا محمد مصطفی ﷺ جو تمام مخلوق کے سردار ہیں اور جنہوں نے چودھویں کے چاند کی روشنی کو شرما دیا۔[1]

(۳) شفاء الغرام میں علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ بدر الدین احمد

[1] العلم المفرد از ابن علان (قلمی نسخہ)

بن محمد بن صاحب مصری نے خود اپنا یہ شعر مجھے پڑھنے کی اجازت دی۔

للحجر الاسود کم لاثم   وساجد مرغ فیه الجباه

حجرِ اسود کو بوسہ دینے والے کتنے ہیں اور کتنے ہی سجدہ کرنے والے ہیں جنہوں نے اس میں اپنی پیشانیاں خاک آلود کیں۔

تزدحم الافواه في ورده   كأنه ينبوع ماءِ الحياه

بہت سارے منہ اس کی گھاٹ پر ہجوم کر لیتے ہیں گویا کہ یہ آبِ حیات کا چشمہ ہے۔[1]

(۴) اس شعر کے متعلق بھی انہوں نے ہی مجھے بتایا۔

أقول و قد زوحمت عن لثم اسود

من البيت محجوب فما السّر يحجب

بیت اللہ کے چھپنے کی وجہ سے بھیڑ کی وجہ سے میں حجرِ اسود کو بوسہ نہ دے سکا تو میں کہتا ہے کہ کون سا راز چھپایا جا سکتا ہے۔

فإنك مني بالمحل الذى به   محل سواد العين أو انت أقرب

کیونکہ تیرا میرے ہاں وہی مقام ہے جو آنکھ میں پتلی کا ہوتا ہے یا تو اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔[2]

(۵) امام حافظ عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ ہجری) نے ''ساجعۃ الحرمین میں ذکر کیا ہے:

قف واستلم ركنا لأشرف منزل

واخضع وذل تفز بكل مؤمل

---

[1] شفاالغرام ۱/۱۷۱

[2] شفاالغرام ۱/۱۷۱۔

ٹھہر اور بلند مقام و مرتبے کے لئے حجرِ اسود کو بوسہ دے اور عاجزی اختیار کر ہر امید میں کامیاب ہوگا۔

ہ وإذا خلا الحجر المعظم قدره   فاليمن في تلك اليمين فقبّل

اور جب حجرِ اسود تنہا ہو تو اس وقت برکت اس کے داہنی طرف ہے تو بوسہ دے لے۔[1]

۔(۶) استاذ عمر بہاء الدین امیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۲ ہجری) فرماتے ہیں کہ:

ۓ الحجر الاسود قبلته   بشفتي قلبي وكلي وله

حجرِ اسود کو میں نے دل کے ہونٹوں سے اور شدید محبت کے جذبات کے ساتھ بوسہ دیا۔

ۓ لا لإعتقادي أنه نافع   بل لهيامي بالذي قبّله

اس اعتقاد کی بنا پر نہیں کہ یہ نفع بخش ہے بلکہ اس ہستی کے ساتھ حد درجہ محبت کی وجہ سے جس نے اسے بوسہ دیا۔

ۓ محمد اطهر أنفاسه   كانت على صفحته مرسله

یعنی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے اپنی پاکیزہ سانسیں اس کے چہرے پر نچھاور کیں۔

ۓ قبله والنور من ثغره   يشرق آيات هدى منزله

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا درانحالیکہ نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے چمک رہا تھا اور آیاتِ ہدایت نازل ہو رہی تھیں۔

ۓ قبلت ما قبله ثغره   الناطق بالوحي ابتغاء الصّله

میں نے اسے بوسہ دیا جسے اس دہن مبارک نے بوسہ دیا جس سے وحی

[1] العلم المفرد از ابن علان (قلمی نسخہ)۔

بولتی ہے اور میں نے ایسا صرف تعلق اور رابطے کی چاہت میں کیا ہے۔

الحمدللہ حجرِ اسود کے متعلق یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی اور تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے یہ کام ہمارے لئے آسان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے اور ہمارے لئے ذریعۂ نجات بنائے آمین یا رب العالمین۔

دوسری قسم

فضیلتِ

مقامِ ابراہیم

علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس قسم میں مقام ابراہیم کا تاریخی تذکرہ، اس کی صفت، خصائص نشانیاں اور اس کے پیچھے نماز ادا کرنے اور دعا مانگنے کی برکات اور سلف صالحین کا اس کے پیچھے بیٹھنے میں کوشش کرنے کے واقعات کا تذکرہ ہوگا۔

باب اول

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اور سببِ تسمیہ وغیرہ

فصلِ اوّل

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف

لغۃً مقام (میم کے فتحہ کے ساتھ) سے مراد قدموں کی جگہ کو کہتے ہیں یہ قام یقوم سے مشتق ہے۔ اور بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی جگہ کے لئے بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔[1]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت کھڑے ہوئے جب آپ بیت اللہ شریف کی عمارت کھڑی کر رہے تھے اور آپ پر پتھر پکڑنے دشوار ہو گئے تھے۔ تو آپ علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو پتھر پکڑاتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو ندا دی اور حج کے لیے اذان بھی دی۔

اِس مکرّم پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نشان ثبت ہیں۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو آپ علیہ السلام کے قدموں تلے نرم کر دیا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے قدم مبارک اس میں دھنس گئے تا کہ یہ ایک واضح نشانی ہو جائے۔

اس پتھر کو آج تک لوگ خانۂ کعبہ کے پاس پہچانتے ہیں۔ یہ وہی پتھر ہے

---

[1] القاموس المحیط (قوم)۔ بصائر ذوی التمییز ۴/۳۱۰

جس کے پیچھے وہ طواف کی دو رکعتیں ادا کرتے ہیں۔

جمہور علماء کرام اور محقق مفسرین کے نزدیک مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں یہی قول ہی صحیح ترین ہے۔[۱]

بعض متقدمین مفسرین سے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی مراد میں کچھ اور اقوال بھی مروی ہیں اگرچہ وہ مرجوح اقوال ہیں لیکن پھر بھی اتمام حجت کے لئے انہیں بھی ذکر کیا جائے گا۔[۲]

بعض کے نزدیک مقامِ ابراہیم علیہ السلام سے مراد سارے کا سارا حج ہے۔ جبکہ بعض کے نزدیک اس سے مراد عرفہ، مزدلفہ اور جمرات ہیں۔ جبکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد سارا حرم کعبہ ہے۔

جمہور علماء کے قول کی صحت کے دلائل

(i) اللہ ربّ العزت نے اپنے فرمانِ عالیشان "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّي" (البقرۃ:۱۲۶) میں ہمیں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے فعل نماز کا حکم ارشاد فرمایا ہے تو نماز کا تعلق نہ تو حرم کعبہ سے ہے اور نہ ہی ان تمام مقامات سے جن کو دوسرے اقوال میں ذکر کیا گیا ہے۔[۳]

(ii) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

"قلت يارسول الله صلى الله عليه وسلم لو اتخذت من مقام ابراهيم مصلّي؟ فأنزل الله تعالى "واتخذوا من

---

۱ تفسیر طبری ۲/۵۳۷۔ تفسیر قرطبی ۲/۱۱۲۔ تفسیر کبیر ۴/۵۳۔ فتح الباری ۲/۴۹۹، ۳/۳۴۰۔ روح المعانی ۱/۳۷۹۔

۲ تفسیر طبری ۲/۵۳۵۔ تفسیر کبیر ۴/۵۳

۳ احکام القرآن ۱/۷۵۔ فتح الباری ۲/۴۹۹۔

مقام ابراهيم مصلّى"۔[۱]

میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کاش آپ ﷺ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بناتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل فرمائی:

نبی کریم ﷺ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا فرمائی جیسا کہ امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے حج کا طریقہ روایت کیا ہے۔[۲]

"فرمل ثلاثا و مشي اربعاثم نفذ الىٰ مقامِ ابراهيم علیہ السلام فقرأ "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى" فجعل المقام بينه وبين البيت ......" (الحدیث)

آپ ﷺ تین چکروں میں تیز چلے اور چار چکروں میں درمیانی چال چلے پھر مقام ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لائے اور مذکورہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھا۔

تو ثابت ہوا کہ مقام کو ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ پتھر ہی ہے[۳]

(iii) عرف عام میں یہ نام اس مکرم پتھر کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہ پتھر آپ علیہ السلام کے قدموں تلے نرم ہو گیا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے قدم مبارک اس میں دھنس گئے۔ اس بات میں آپ علیہ السلام کے معجزے کا اظہار ہے۔ تو اس پتھر کے ساتھ خاص ہونا بجائے کسی دوسری چیز کے ساتھ خاص ہونے سے زیادہ قوی ہے۔ لہٰذا اس پتھر پر اس اسم کا اطلاق زیادہ بہتر ہے۔[۴]

۱۔ صحیح بخاری ۲/۵۰۴
۲۔ صحیح مسلم ۲/۸۸۷۔
۳۔ احکام القرآن ۱/۷۵۔ فتح الباری ۲/۴۹۹
۴۔ تفسیر کبیر ۴/۵۳۔ البحر المحیط ۱/۳۸۱

فصل دوم

اِس پتھر کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا نام دینے کی وجہ

اس مکرّم پتھر کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے نام سے اس وجہ سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی عمارت بلند فرما رہے تھے تو آپ اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے: جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیت اللہ شریف تعمیر فرمانے کا واقعہ ذکر ہے، فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فعند ذلك رفعا۔ ابراهيم و اسماعيل۔ القواعد من البيت فجعل اسماعيل يأتي بالحجارة و ابراهيم يبني حتى اذا ارتفع البناء جاء بهذا الحجر فوضعه له فقام عليه وهو يبني واسماعيل ينا وله الحجر وهما يقولان ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم"

قال فجعلا يبنيان حتى يدورا حول البيت وهما يقولان ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم".[1]

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ شریف کی بنیادیں بلند فرما رہے تھے۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہو گئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر لائے اور آپ علیہ السلام کے پاس رکھا۔ تو آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے تھے۔ اور آپ علیہما السلام دونوں یہ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

ارشاد فرمایا:

"آپ علیہما السلام دونوں تعمیر فرماتے رہے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کے گرد چکر مکمل کر لیا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ اے ہمارے ربّ! ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "جاء بهذا الحجر" اس سے مراد مقامِ ابراہیم علیہ السلام والا پتھر ہے۔ اور ابراہیم بن نافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہو گئی اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پتھر منتقل کرنے سے کمزور ہو گئے تو وہ مقام والے پتھر پر کھڑے ہو گئے۔[2]

"اَخبارِ مکہ" میں اَزرقی کی روایت میں اس طرح ہے:

"فقاما۔ ابراهيم و اسماعيل۔ يحفران عن القواعد ويقولان

---

۱ صحیح بخاری ۶/۳۹۸

۲ فتح الباری ۶/۴۰۶

ربنا تقبل منا انك أنت السميع العليم۔ ويحمل له اسماعيل الحجارة علىٰ رقبته ويبني الشيخ ابراهيم فلما ارتفع البنيان وشق على الشيخ تناوله قرّب له اسماعيل هذا الحجر فكان يقوم عليه ويبني ويحوله نواحي البيت حتى انتهى الى وجه البيت۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بنیادیں کھودتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی گردن پر پتھر اٹھا کر آپ علیہ السلام کو دیتے اور آپ علیہ السلام تعمیر فرماتے جاتے۔ جب عمارت بلند ہوگئی اور آپ علیہ السلام پر پتھر پکڑنا دشوار ہوگیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ پتھر آپ علیہ السلام کے قریب کیا۔ تو آپ علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرمانے لگے۔ اور اسے بیت اللہ شریف کے اردگرد پھیرنے لگے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کے سامنے والے حصے تک پہنچ گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مرادِ مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس پتھر پر کھڑا ہونا مراد ہے۔

تنبیہ

ایک دوسری ضعیف مرجوح غیر صحیح روایت میں اس پتھر کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا نام دینے کا ایک اور سبب بیان کیا گیا ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام گم ہوگئے اور نہ ملے۔ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کی تعظیم کے لئے آپ علیہ السلام کا سر مبارک دھونے کی خواہش ظاہر کی۔

---

[1] اخبار مکہ از ازرقی ۳۲/۲۔

انہوں نے یہ پتھر آپ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے رکھا۔ اس وقت آپ علیہ السلام سواری پر سوار تھے۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کے سر مبارک کا ایک حصہ دھویا۔ پھر یہ پتھر ایک پاؤں سے دوسری طرف منتقل کیا اس وقت آپ علیہ السلام کا پاؤں مبارک اس پتھر میں چھپ گیا تھا۔ پھر سر مبارک کا دوسرا حصہ دھویا تو دوسرا پاؤں مبارک بھی چھپ گیا۔[۱]

اس روایت کو امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے ایسے ہی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سعید بن جبیر کی تضعیف کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔[۲]

---

۱ تفسیر طبری ۱/۵۳۷۔ تفسیر کبیر ۴/۵۳۔ تفسیر قرطبی ۲/۱۱۳۔

۲ تفسیر قرطبی ۲/۱۱۳۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۱۲۹۔ امام حلبی نے بھی سیرت حلبیہ ۱/۱۵۷ میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فصل سوم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج کے لیے اذان دینے کے لئے ''مقام'' پر کھڑا ہونا

یہ مکرّم پتھر (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) وہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر کے لیے کھڑے ہوئے۔ اسی پتھر پر آپ علیہ السلام اس وقت بھی کھڑے ہوئے جب آپ علیہ السلام کو حج کے لئے اذان دینے کا حکم دیا گیا۔ آپ علیہ السلام کے مقام پر دو مرتبہ کھڑے ہونے یعنی ایک مرتبہ تعمیر کے لئے اور ایک مرتبہ اذان یا ندا دینے کے لئے کھڑے ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق صریح روایات آئی ہیں۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ:

''فلما فرغ ابراهيم من بناء الكعبة جاء جبريل فأراه المناسك كلها ثم قام ابراهيم على المقام فقال يا ايها الناس اجيبوا ربكم فوقف ابراهيم و اسماعيل تلك المواقف''[1]

---

[1] فتح الباری ۶/۴۰۶۔ حافظ ابن حجر کے قاعدے کے مطابق یہ روایت صحیح ہے یا حسن ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ علیہ السلام کو تمام مناسک حج دکھائے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ''مقام'' پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دو۔ تو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ان مواقف پر ٹھہرے۔ امام فاکہی نے حضرت مجاہد کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

''قام ابراهيم عليه السلام على الحجر فقال يايها الناس كتب عليكم الحج فاسمع من في اصلاب الرجال وأرحام النساء فأجابه من آمن ومن كان سبق في علم الله تعالىٰ أنه يحج إلىٰ يوم القيامة لبيك اللهم لبيك''۔[1]

''حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ تو جتنی بھی مخلوق مردوں کی پشتوں میں اور عورتوں کے رحموں میں تھی سب نے سن لیا اور جو ایمان والے تھے اور جو اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے سب نے جواب دیا کہ اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں''۔

[1] أخبار مکہ از فاکہی ۱/۴۴۶۔

فصل چہارم

”مقام“ کا لمبا ہونا اور آسمان کی طرف بلند ہونا

(۱) تعمیرِ کعبہ کے وقت بلند ہونا

مکہ مکرمہ کے متاخرین مؤرخ حضرات کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ ”مقامِ ابراہیم علیہ السلام“ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بلندی پر خانہ کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے تو یہ لمبا ہو جاتا اور آسمان کی طرف بلند ہوتا تھا یعنی جوں جوں دیوار بلند ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی بلند ہوتا تھا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر پکڑنا ہوتا تھا تو یہ نیچے آ جاتا تھا پھر لمبا ہو جاتا اور بلند ہو جاتا حتیٰ کہ وہ بلندی پر پتھر رکھ لیتے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے آخر تک ایسا ہوتا رہا۔

آئندہ سطور میں ان مؤرخین کا ذکر کیا جائے گا جنہوں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے بلند ہونے پر نص بیان فرمائی ہے۔

(i) امام مفسر محدث مقری نحوی ابوحیان محمد بن یوسف (م ۷۴۵ھ) نے اپنی تفسیر ”البحر المحیط“ میں اسے ذکر کیا ہے۔ پھر مابعد جملہ علماء کرام نے اس پر نص بیان فرمائی۔

(ii) امام فقیہ شافعی مکی ابن حجر ہیتمی احمد بن محمد (م ۹۷۴ھ) نے اپنی کتاب ’تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج‘[1] میں ذکر کیا۔

---

[1] تحفۃ المحتاج ۴/۹۲

(iii) امام علی بن برہان الدین حلبی (م ۱۰۴۴ ہجری) نے سیرت حلبیہ ''إنسان العیون فی سیرۃ الأمین المامون ﷺ''[۱] میں، امام ابن علان صدیقی شافعی مکی محمد علی بن محمد (م ۱۰۵۷ ہجری) نے ''العلم المفرد''[۲] میں اور شیخ احمد بن محمد شنقیطی (م ۱۳۲۰ ہجری) نے ''عمود النسب فی أنساب العرب'' منظوم کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔[۳]

(iv) شیخ محمد عابد حسین مالکی مکی (م ۱۳۴۱ ہجری) نے اپنی کتاب ''ہدایۃ الناسک علی توضیح المناسک''[۴] میں ابن حجر ہیتمی کا کلام ذکر کیا ہے لیکن ان سے نقل کرنے کی تصریح بیان نہیں فرمائی۔

(v) شیخ محمد طاہر کردی مکی (م ۱۴۰۰ ہجری) نے اپنی کتاب ''مقامِ ابراہیم علیہ السلام''[۵] میں ''صاحب عمود النسب'' کے کلام پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے۔

ایسے ہی ڈاکٹر سید محمد علوی مالکی نے اپنی کتاب ''فی رحاب البیت الحرام''[۶] میں بھی ''عمود النسب'' کے مصنف کے کلام پر اعتماد کیا ہے۔

یہی کچھ تھا جو مجھے امام ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ (۸ صدی ہجری) کے زمانے سے لے کر مابعد کی تاریخ سے میسر آیا ہے۔ اس سے پہلے کی تاریخ سے مجھے کسی چیز کا ابھی تک علم نہیں ہوا۔ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس قوی دلیل کی طرف رہنمائی عطا فرمائے جسے میں اختیار کرسکوں تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے اس کے

۱۔ سیرت حلبیہ ۱/۱۵۷

۲۔ قلمی نسخہ۔

۳۔ عمود النسب ۱/۵۹۔

۴۔ ہدایۃ الناسک ص ۸۶۔

۵۔ مقامِ ابراہیم علیہ السلام ص ۱۰۵۔

۶۔ فی رحاب البیت الحرام ص ۱۱۹۔

ساتھ ساتھ میرا یہ کامل اعتقاد ہے کہ امام ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ خبر ہے اور اس کے لئے کسی نقل کرنے والے کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن امام صاحب نے ہمارے لیے اس بات کی تصریح نہیں کی کہ انہوں نے اسے کس سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح جو مورخین آپ کے بعد آئے انہوں نے بھی اسے ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل نہیں کیا۔ (یہ بات مصنف نے کتاب کی طبعہ اُولیٰ کے وقتِ تحریر کی تھی۔ از مترجم)

اب جبکہ کتاب کی طبعۂ ثانیہ کی تیاری ہو رہی ہے تو میں نے دیکھا کہ امام محدث قرطبی احمد بن عمر (م ۶۵۶ ہجری) نے اپنی کتاب ''المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم'' میں ''مقامِ ابراہیم علیہ السلام'' کی تعریف کے متعلق آئمہ سلف کے اقوال ذکر کرتے ہوئے یہ نص بیان فرمائی ہے کہ:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام'' تعمیر (خانہ کعبہ) کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ تو جیسے جیسے عمارت بلند ہوتی تھی یہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا''۔[1]

تو بے شمار حمد و ثناء ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اس نص کی طرف رہنمائی فرمائی کیونکہ یہ ابتدائی دور کے آئمہ تفسیر میں سے دو اماموں کا قول ہے اور ہوسکتا ہے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ معلوم ہوا ہو۔

جو چیز اس خبر یعنی مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے لمبے ہونے کی شاہد ہے اور اسے تقویت پہنچاتی ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی اَثر ہے۔ وہ اثر آئندہ سطور میں ذکر کیا جائے گا۔

---

[1] المفهم ۳/۴۶۵

(۲) حج کے لئے اذان دینے کے وقت بلند ہونا

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی اُثر میں ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حج کے لئے اذان دینے کے لئے "مقام" کے پتھر پر چڑھے تو وہ پہاڑوں کی بلندی جتنا بلند ہوگیا۔ تب آپ علیہ السلام نے ندا دی۔ اے لوگو! اپنے پروردگار کی پکار پر لبیک کہو......"[1]

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ:

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے اذان دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ علیہ السلام ابوقبیس پہاڑ پر چڑھے (حجرِ اسود کے سامنے والا پہاڑ)"[2] "جبکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ علیہ السلام صفا پہاڑی پر چڑھے"

تو ان روایات کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے وہ اس طرح کہ ان میں بایں طور تطبیق ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان تمام مقامات پر بار بار ندا دی ہو۔[3]

☆......☆......☆......☆

---

۱ اَزرقی ۱/۶۷، الفاکہی ۱/۴۴۸۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۹۷۔ الدرالمنثور ۱/۱۱۹۔ القریٰ ص ۶۰۔

۲ تفسیر طبری ۱۷/۱۴۴۔ الدرالمنثور ۴/۳۵۴۔

۳ روح المعانی ۱۷/۱۴۳۔

فصل پنجم

"مقام" کے پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نشان

حرم کعبہ میں حوادثات زمانہ کے باوجود باقی رہنے والی نشانیوں میں سے ایک نشانی اللہ ربّ العزت کی یہ ہے کہ اس مکرم پتھر (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) میں اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نقوش ثبت ہیں۔ جب آپ علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ یہ چیز آپ علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

یہ ایک سخت پتھر تھا جو آپ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے مٹی گارے کی طرح نرم ہو گیا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے قدم اس میں دھنس گئے۔ پھر جب آپ علیہ السلام نے قدم مبارک اس سے اٹھائے تو اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر اس میں پتھروں والی سختی پیدا فرما دی۔ اور آپ علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نقوش تب سے لے کر آج تک اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اس وقت تک کے لئے اس میں ثبت ہو گئے۔

اس پتھر میں آپ علیہ السلام کے قدموں کے نقوش اپنی اصلی حالت میں نہیں رہے اور وہ جگہ دو بڑے قدموں کے گڑھے کی مقدار جتنی ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ طویل صدیوں میں لوگ انہیں اپنے ہاتھوں سے چھوتے رہے تھے۔ ایسا

اس وقت سے پہلے تک رہا جب مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو ایک ہالے میں لوگوں کے چھونے سے بچانے کے لئے نہیں رکھا گیا تھا عہدِ جاہلیت میں اور عہد اسلام میں کچھ صدیاں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کھلا رہتا تھا یعنی ڈھانپا نہیں گیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے تک انگلیوں اور قدمین شریفین کے تلوؤں کے نقوش بھی اس پتھر میں بالکل واضح تھے۔

مؤطا میں ہے کہ ابن وھب نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

''میں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کی انگلیوں اور تلوؤں کے نقوش دیکھے ہیں۔ مگر (اب) لوگوں کے ہاتھوں کے ساتھ چھونے کی وجہ سے وہ نقوش مٹ گئے ہیں۔[۱]

اَزرقی نے اَخبار مکہ[۲]

اور طبری نے اپنی تفسیر[۳] میں سعید بن اَبی عروبہ کے طریق سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان ''واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی'' کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''مومنین کو اس کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا چھونے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو اس امت نے خود کو ایسی چیز کا مکلف بنا لیا جس کا سابقہ امتوں نے خود کو مکلف بنایا تھا۔ ہمیں بعض ایسے لوگوں کا بتایا گیا ہے جنہوں نے اس میں آپ علیہ السلام کی ایڑیوں اور انگلیوں کے نقوش دیکھے تو یہ امت اس کو اتنا چھوتی رہی کہ یہ بوسیدہ

---

۱ فتح الباری ۸/۱۶۹

۲ اَخبار مکہ ۲/۲۹

۳ تفسیر طبری ۱/۵۳۷۔ الفتح از ابن حجر ۸/۱۶۹

ہو کر مٹ گئے۔

گزشتہ نص جو موطا میں سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگلیوں اور تلووں کے نقوش ظاہر تھے لیکن لوگوں کے چھونے کی وجہ سے مٹنے کے قریب تھے اگرچہ مکمل طور پر نہیں مٹے تھے۔ تو جس نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ کیا اور بہت غور سے معائنہ کیا اس کے لیے اس کے کچھ نقوش ظاہر ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ اس چیز کو مورخِ مکہ مکرمہ شیخ محمد طاہر کردی نے بیان کیا ہے جب مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو چودھویں صدی ہجری میں کھولا گیا تو انہوں نے مشاہدہ کیا، فرماتے ہیں کہ:

> "ہم نے قدموں کی انگلیوں کا تو مطلقاً مشاہدہ نہیں کیا۔ وہ لمبا عرصہ گزرنے اور لوگوں کے اسے ہاتھوں کے ساتھ چھونے کی وجہ سے مٹ چکی ہیں۔ جبکہ ایڑیوں کی جگہ اسی آدمی کے لئے واضح ہوتی ہے جو دقیق نظری سے مشاہدہ کرے۔"[1]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نقوش ایسے ہی ہیں جیسے کہ عمارت میں معمار کا نام رقم ہوتا کہ اسے اس کے وصال کے بعد بھی یاد کیا جائے اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنا ایسے ہے جیسے طواف کرنے والا بیت اللہ شریف کے پاس معمار کا نام جپ رہا ہو۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی تاویل زیادہ مناسب اور لطیف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نقوش ہمیشہ اہل حرم کے ہاں معروف رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت ابوطالب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور قصیدہ میں بیان کیا ہے کہ:

---

[1] مقامِ ابراہیم علیہ السلام ص ۱۱۳

؎ وموطئی ابراهیم فی الصخر رطبة
علی قدمیه حافیا غیر ناعل

چٹان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان گیلے ہیں اور وہ ننگے پاؤں کے نشان ہیں۔[۱]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نقوش یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام مقام پر چڑھے تو آپ علیہ السلام ننگے پاؤں تھے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کے قدموں کے نقوش سے ظاہر ہے اور حضرت ابوطالب نے اپنے قصیدہ میں ذکر کیا ہے۔

سیّدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین کی سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں سے مشابہت

شیخ محمد طاہر کردی مکی رحمۃ اللہ علیہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں والی جگہ کا بغور معائنہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''قدمین شریفین کو دیکھنے کے بعد ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا قد و قامت ہمارے زمانے (چودھویں صدی ہجری) کے عام آدمی کے قد و قامت جتنا تھا نہ ہی زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت۔ اسی لئے ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہہ تھے۔ صحیح بخاری میں ہے۔[۲] رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اِسراء میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے وصف کے بیان میں فرمایا:

''ورأیت ابراهیم وأنا أشبه ولده به''[۳]

---

۱ فتح الباری ۸/۱۹۹۔ سیرۃ ابن ہشام ۲/۱۳
۲ صحیح بخاری ۶/۲۷۶۔
۳ مقامِ ابراہیم علیہ السلام ص ۱۱۶۔

"میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھتا ہوں"۔

طبقاتِ ابن سعد میں ابن سعد نے حضرت عبدالمطلب کے نبی کریم ﷺ کی کفالت کی خبر ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"بنو مدلج قبیلہ کے ایک گروہ نے حضرت عبدالمطلب جد النبی ﷺ سے کہا کہ اس کی یعنی نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں موجود قدموں کے نقوش کے ساتھ ان کے قدموں سے زیادہ مشابہہ کوئی قدم نہیں دیکھے"۔[1]

یہی سابق الذکر خبر ابن ظفر مکی صقلی نے بھی "أنباء نجباء الأبناء" میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

"جب رسول اللہ ﷺ بچپن میں کھیلتے ہوئے ہمارے پاس آئے تو بنو مدلج قبیلہ کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو پاس بلایا اور آپ ﷺ کے قدمین شریفین کی طرف دیکھا۔ اُدھر حضرت عبدالمطلب نے جب آپ ﷺ کو گم پایا تو آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں میں لے کر وہ گروہ آپ ﷺ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس بچے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ تو جواب دیا کہ یہ میرے بیٹے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کی حفاظت کیجئے گا کیونکہ ہم نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے ساتھ ان کے قدموں سے زیادہ مشابہہ کوئی قدم نہیں دیکھے۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ۱/ ۱۱۸۔

[2] أنباء نجباء الأبناء ص ۱۸۔

ابو جہم بن حزیفہ قرشی عدوی جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عہد جاہلیت میں بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا۔ پھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تعمیر میں حصہ لیا۔ ان دونوں تعمیروں کے درمیان اسی (۸۰) سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ علم الانساب میں ایک علامت تھے آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو نقوش قدمین شریفین ہم مقامِ ابراہیم علیہ السلام میں دیکھتے ہیں ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے زیادہ کسی کی مشابہت میں نے نہیں دیکھی"۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"قریش ایک کاہن عورت کے پاس گئے اور کہا کہ ہمیں اس آدمی کے متعلق بتاؤ جو ہم میں سب سے زیادہ اس مقام (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) والے کے مشابہہ ہے۔ تو اس نے کہا کہ اگر تم اس نرم ریت پر چادر گھسیٹو پھر اس پر چلو تو میں تمہیں بتاؤں گی۔ تو انہوں نے چادر گھسیٹی پھر اس پر چلے۔ تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا مبارک دیکھے تو کہا۔ یہ آدمی تم سب سے زیادہ ان سے مشابہہ ہیں۔ تو اس کے تقریباً بیس سال یا جتنے اللہ تعالیٰ نے چاہے اتنے سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت (کے اعلان) سے سرفراز فرمائے گئے"۔[2]

---

[1] تحفۃ الالباب شرح الانساب ۱/۵۹

[2] مسند امام احمد ۱/۳۳۲

فصل ششم

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی صفت و حجم

امام اَزرقی رحمۃ اللہ علیہ[۱] نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی صفت اور حجم انگلیوں کی تعداد کے ساتھ بیان کیا ہے اور بعض نے اس کی پیمائش گز کے ساتھ ذکر کی ہے۔ ان کے زمانے میں یہی پیمائش کی اکائیاں تھیں آج کل یہ مشہور نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ جو شیخ محمد طاہر کردی مکی نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی پیمائش آج کل کی معروف پیمائشی اکائی یعنی میٹر کے ساتھ بیان کی ہے اسے ذکر کروں۔ انہوں نے یہ پیمائش اس وقت کی جب ان کے لئے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو ۱۳۶۷ ہجری میں کھولا گیا۔ انہوں نے درج ذیل پیمائش ذکر کی ہے۔[۲]

''ہم نے دیکھا کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا پتھر سنگ مرمر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے اوپر ثبت ہے جو ٹکڑا طولاً و عرضاً ''مقام'' کی پیمائش کی مقدار کے مطابق ہے۔ اس کی بلندی تیرہ (۱۳) سینٹی میٹر ہے۔ جہاں تک تعلق ہے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا تو وہ ایک ایسا پتھر ہے جس کا رنگ زردی اور سرخی کے درمیان ہے البتہ سفیدی کے زیادہ قریب ہے۔ ایک کمزور سا آدمی بھی اسے اٹھا سکتا ہے۔ یہ پتھر ہے سفید چقماق نہیں ہے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پتھر کا حجم کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ مکعب کے مشابہہ

۱۔ اخبار مکہ ۲/۳۸ ۲۔ مقام ابراہیم ص ۱۱۲-۱۱۴

ہے اس کی بلندی بیس (۲۰) سینٹی میٹر ہے اور اس کے تین ضلعوں کی لمبائی سطح سے چھتیس (۳۶) سینٹی میٹر ہے اور چوتھے ضلع کی لمبائی اڑتیس (۳۸) سینٹی میٹر ہے۔ تو سطح سے اس کا محیط ایک صد چھیالیس (146) سینٹی میٹر ہے۔

اس پتھر کی نصف بلندی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدمین شریفین دھنسے تھے۔ ایک قدم مبارک کی گہرائی دس (10) سینٹی میٹر اور دوسرے کی گہرائی نو (۹) سینٹی میٹر ہے۔

ہم نے قدمین شریفین کی انگلیوں کا مطلقاً مشاہدہ نہیں کیا۔ لمبا عرصہ گزرنے اور لوگوں کے ہاتھوں کے ساتھ چھونے کی وجہ سے ان کے نقوش مٹ چکے ہیں۔ جبکہ ایڑیوں کی جگہ اس آدمی کے لیے واضح ہوتی ہے جو دقیق نظری اور غور سے اس کا مشاہدہ کرے۔

قدمین شریفین میں ڈالی گئی چاندی کی نچلی سطح سے ان کی اندرونی پیمائش کا اندازہ کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کی لمبائی بائیس (۲۲) سینٹی میٹر ہے اور چوڑائی گیارہ (۱۱) سینٹی میٹر ہے۔ دونوں قدموں کے درمیان حد فاصل باریک سی تقریباً ایک سینٹی میٹر کی ہے۔ یہ فاصل حد بھی لوگوں کے نقوش پا مبارک کو ہاتھوں کے ساتھ چھونے کی وجہ سے باریک ہوئی ہے۔ ایسے ہی چھونے کی وجہ سے اوپری حصے کا طول و عرض بھی زیادہ ہوا ہے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا سارے کا سارا پتھر خالص چاندی سے ڈھکا ہوا ہے۔ یعنی پتھر کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی لیکن نقوشِ قدمین شریفین کی ہیئت بالکل واضح ہے نہ تو ان کا رنگ متغیر ہوا ہے اور نہ وہ تبدیل ہوئے ہیں اور قیامت کے دن تک ایسا ہی رہے گا۔ واللہ اعلم (شیخ محمد طاہر کردی مکی کا کلام ختم ہوا)۔

آج کل مقام ابراہیم علیہ السلام ایک شفاف شیشے کے ڈبے میں رکھا ہوا ہے جس کے اندر سے قدمین شریفین کے نقوش کی ہیئت بالکل واضح دکھائی دیتی ہے۔

باب دوئم

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ سے پہلے اور بعد میں "مقامِ ابراہیم علیہ السلام" کہاں تھا

اس چیز کے بارے میں کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں، اس سے پہلے اور بعد میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کس جگہ تھا اس بارے میں اقوال مختلف اور روایات میں اختلاف ہے۔ بہر حال ذیل میں چار اقوال کو ان کے دلائل، روایات اور جو ان میں سے راجح ہے انہیں ذکر کیا جائے گا۔

(۱) پہلا قول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام اسی جگہ تھا جس جگہ آج کل ہے۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اسی جگہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں سیلاب آیا تو وہ اسے مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے میں بہا لے گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی پہلی جگہ پر واپس رکھوایا۔

دلائل

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

امام اُزرقی نے ''اخبارِ مکہ'' میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد درخشاں میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام اسی جگہ تھا جہاں آج کل ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیلاب آیا تو اسے اپنے ساتھ بہا لے گیا اور پھر مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے سے ملا۔ تو اسے لاکر خانہ کعبہ کے پردے کے ساتھ باندھ دیا گیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے اس کے بارے میں مشورہ کیا یہاں تک کہ اس کی پہلی جگہ کی تحقیق ہو گئی تو اسے وہاں رکھ کر اسے کے اردگرد تعمیر کروادی گئی۔ تو اب تک وہ اسی جگہ ہی ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ''فتح الباری'' [2] میں امام بخاری کی حدیث مبارکہ کے متعلق کلام کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، وہ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ:

قال ابن عمر فسألت بلالا رضي الله عنه لا أصلّى النبي صلى الله عليه وسلم في الكعبة ؟ قال نعم! ركعتين بين الساريتين اللتين علىٰ يساره اذا دخلت ثم خرج فصلى في وجه الكعبة ركعتين"

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمائی ہے؟ تو ارشاد فرمایا: ہاں! دو رکعتیں خانہ کعبہ کی بائیں جانب دو کونوں کے درمیان دو رکعتیں ادا فرمائیں یہ کونے داخل ہونے والے کے بائیں جانب

۱ فتح الباری ۱/۴۹۹
۲ فتح الباری ۱/۵۰۱

ہوتے ہیں۔ اور پھر باہر تشریف لائے اور دو رکعتیں خانہ کعبہ کے سامنے والے حصے میں ادا فرمائیں"۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ "خانہ کعبہ کے سامنے والے حصے میں" اس قول کے ترجمہ سے یہ ظاہر ہے کہ وہ جگہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اہل علم سے جو اس کے بارے میں منقول ہے یہ چیز اس کے خلاف ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ یہ چیز اہل علم سے منقول اقوال کے خلاف ہے اس سے مراد وہی نص ہے جو ہم نے ابتداء میں ذکر کی ہے۔

تو جو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام اسی جگہ تھا۔ جہاں اب ہے۔ یہی قول اہل علم حضرات سے منقول ہے۔

امام ازرقی کی جو نص ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ملخصاً ذکر کی ہے۔ ہم اس ساری نص کو ذکر کریں گے تاکہ وضاحت میں اضافہ ہو۔

امام ازرقی[1] نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مطلب بن ابی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"مسجد حرام میں سیلابی پانی باب بنی شیبہ سے داخل ہوا کرتا تھا۔ اور ایسا اس وقت تک ہوتا تھا جب تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑا بند تعمیر نہ فرمایا۔ اس دروازے کا نام ہی "باب السیل" یعنی سیلاب والا دروازہ پڑا ہوا تھا۔

بعض اوقات سیلاب مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے مقام سے دور ہٹا دیتے

[1] أخبار مکہ ۲/۳۳

تھے اور بعض دفعہ اسے خانہ کعبہ کے دروازے کی طرف دھکیل دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سیلاب آیا۔ اس سیلاب کو ''ام نہشل کا سیلاب'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سیلاب ام نہشل کو بہا لے گیا تھا اور وہ فوت ہو گئی تھی۔ اس سیلاب نے بھی مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا حتیٰ کہ یہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے سے ملا۔ تو اسے لا کر خانہ کعبہ کے سامنے والے پردوں سے باندھ دیا گیا۔ اس بارے میں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا گیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رمضان المبارک کے مہینے میں آپ معماروں کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔[1]

اس وقت سیلاب کی وجہ سے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ چھپ چکی تھی۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلا کر فرمایا! جس آدمی کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے اصل مقام کا علم ہے اسے میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بتائے؟

تب حضرت مطلب بن ابی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! امیر المؤمنین! میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ مجھے اسی بات کا خدشہ تھا کہ سیلاب کی وجہ سے اس کا اصل مقام گم جائے گا۔ تو میں نے اس سے لے کر حجرِ اسود تک، بابِ حجر تک اور زمزم کے کنویں تک ایک رسی سے ناپ لے لیا تھا۔ وہ رسی میرے پاس گھر میں پڑی ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آپ میرے پاس بیٹھیں۔ اور ایک آدمی کو رسی لینے بھیجا اسے لا کر پھیلایا گیا تو وہ موجودہ جگہ تک پہنچی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہاں! یہی جگہ ہے۔

---

[1] ۱۷ھ یا ۱۸ھ شفاء الغرام ۱/۲۰۹۔

جب آپ رضی اللہ عنہ نے خوب چھان بین کر لی اور خوب تحقیق ہو گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے وہاں رکھنے کا حکم دیا اور اس کی بنیادیں خوب پختہ کروائیں اور اس کے اردگرد بھی پختہ تعمیر کروائی۔ تو آج تک وہ اسی جگہ ہے۔"

اس قول کے لئے اس روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"اِن الرکن والمقام یاقوتتان من یواقیت الجنۃ نزلا فوضعا علی الصفا فأضاء نور ھما لأھل الارض ...... ولیبعثن الرکن والمقام وھما فی العظم مثل أبی قبیس یشھد ان لمن وافاھما بالوفاء فرفع اللّٰہ تعالٰی النور عنھما وغیّر حسنھما فوضعھما حیث ھما"۔[1]

"رکن اور مقام جنتی یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں۔ جنت سے اتار کر انہیں صفا پہاڑی پر رکھا گیا تو ان کے نور سے تمام زمین روشن ہو گئی...... اور قیامت کے دن انہیں اوپر اٹھایا جائے گا درآنحالیکہ ان کی جسامت ابوقبیس پہاڑ جتنی ہو گی جنہوں نے ان کا حق پورا پورا ادا کیا ان کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھا لیا اور ان کا حسن تبدیل کر دیا اور انہیں ان کی جگہ پر رکھ دیا"۔

امام اُزرقی نے ابن ابی ملیکہ تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"جس جگہ آج کل مقام ابراہیم علیہ السلام ہے یہ اسی جگہ تھا، عہد جاہلیت

---

[1] قد تقدم۔

میں بھی، عہد نبوی ﷺ میں بھی اور خلافت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بھی۔ البتہ خلافتِ فاروقی میں سیلاب اسے بہا لے گیا۔ تو اسے خانہ کعبہ کے دروازے میں رکھ دیا گیا حتیٰ کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کی موجودگی میں اسے اس جگہ رکھا"۔[1]

اسی کی مثل امام فاکھی نے بھی عمرو بن دینار مکی تابعی ثقہ ثبت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

امام اَزرقی نے سفیان بن عیینہ سے اور انہوں نے حبیب بن اَبی اُشرس سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

ام نہشل والا سیلاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ کے اوپری حصے میں بند تعمیر کرنے سے پہلے آیا تھا۔ اس سیلاب نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اصل مقام سے دور ہٹا دیا تو اس کی اصل جگہ کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کی اصل جگہ کا کسے علم ہے؟ تو حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امیر المومنین! میں جانتا ہوں۔ میں نے رسی کے ساتھ اس کی پیمائش کی تھی مجھے اس کے متعلق اسی بات کا خدشہ تھا تو میں نے مقام حجر، رکن اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے سے لے کر اس کے اصل مقام تک ماپ لیا تھا۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ رسی لے آؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ رسی لے کر آئے تو اسے اس کی موجودہ جگہ پر رکھ دیا گیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بند تعمیر کروایا۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم سے حضرت ہشام بن

---

[1] اَزرقی ۲/۳۵

[2] فاکھی ۱/۴۵۵

عروہ نے اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کی ہے کہ:

''مقامِ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی ایک جانب تھا۔ جہاں تک اس کی اصل جگہ کا تعلق ہے تو وہ وہی ہے جو اب ہے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اصل جگہ وہاں تھی تو ایسا نہیں ہے''۔[1]

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ''القری''[2] میں اس پہلے قول کی ترجیح کے لیے ایک اور دلیل ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ:

حدیث صحیح طویل کا لفظی سیاق اور جو اس کی مثل روایات ہیں وہ ابن ابی ملیکہ کے قول کی ترجیح کی شاہد ہیں۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے کہ:

''ثم تقدم الیٰ مقام ابراھیم وقرأ'' ''واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی'' فجعل المقام بینه وبین البیت''

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے اور مذکورہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھا۔''

''ان الفاظ کے سنتے ہی جو چیز جلدی سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیت اللہ شریف کے ساتھ پاس ہی کھڑے ہوئے نہیں تھے کیونکہ یہ الفاظ عرفاً اسی وقت بولے جاتے ہیں جب کسی چیز کو اپنے سامنے رکھا جائے اور دوسری چیز کو اس کے پیچھے رکھا جائے۔ اور جب آدمی کسی چیز کے ساتھ ہی مل کر کھڑا ہو تو تقدیم ہی متعین ہوگی اور کچھ نہیں متعین ہوگا''۔

یہ سب صحیح ثابت روایات ہیں جو اس قول کی شاہد ہیں۔ یہ ایک جلیل القدر

---

[1] ازرقی ۲/۳۵

[2] القری ص ۳۴۶

صحابی مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ اور آئمہ تابعین کرام اور تبع تابعین یعنی ابن ابی ملیکہ عروہ بن زبیر، امام المکیین سفیان بن عیینہ اور عمرو بن دینار مکی رضوان اللہ علیہم سے مروی ہیں۔

اسی رائے پر امام اُزرقی نے اپنی کتاب میں اور امام حجر نووی نے ''تہذیب الاسماء واللغات''میں اعتماد کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اسی پر اعتماد کرتے ہوئے اہل علم سے اسے نقل کیا ہے اور اس کے خلاف رائے پر کرمانی کا تعاقب کیا ہے۔

یہ تمام آثار اس بات کا فائدہ دیتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام موجودہ جگہ پر ہی تھا یعنی سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں، زمانۂ جاہلیت میں اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اور اب تک اسی جگہ پر ہے۔

علاوہ ازیں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور دیگر حاضرین سے مشورہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جگہ معروف تھی۔

حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس پہچان پر جو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی اس پر مہر توثیق ثبت کر دی اور جو ان سے حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اس کی توثیق کر دی تو یہ چیز ان کے اجماع اور بعد میں آنے والوں کے اجماع کی دلیل ہے۔ تو ان کا یہ اجماع ہی مقامِ ابرہیم علیہ السلام کے اصل مقام کے بارے میں عمدہ ہے اور جو اقوال اس کے مخالف ہیں وہ اس کے معارضہ میں قوی نہیں ہیں۔

ہم انشاءاللہ بقیہ اقوال کو بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے عنقریب ذکر کریں

۱؎ ۵۵/۴ قسم ثانی

گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے صحیح اور صواب کے طلبگار ہیں۔

تنبیہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیلاب کا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بہالے جانا ہمیں اس حدیث مبارکہ کی یاد دلاتا ہے جو عنقریب ذکر کی جائے گی۔ اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی پہچان کروانے کے لیے اس کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی کو اس کی اس طرح پہچان نہیں کروائی۔ سیّدنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل مبارک اس بات کی تنبیہ اور اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق معاملہ پیش آئے گا یعنی سیلاب آئے گا، مقامِ ابراہیم علیہ السلام اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے تشریف لائیں گے اور وہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اور اس کی اصل جگہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچان کروانے کی وجہ سے لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمائیں گے اور اس کی اصل جگہ کی تحقیق کر کے اسے اس جگہ پر رکھیں گے۔

امام ازرقی کی ذکر کردہ گزشتہ نص بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ جانتے تھے۔ اس میں اس طرح آیا ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ آپ میرے پاس بیٹھیں۔ اور رسی ان کے گھر سے منگوائی۔ جب رسی لائی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پھیلایا تو وہ اس (معروف) جگہ کے برابر تھی۔

علاوہ ازیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے اجنبی نہیں تھے بلکہ وہ تو پیدائشی مکی تھے اور جو کچھ حرم کعبہ میں تھا آپ رضی اللہ عنہ اسے دوسرے لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے۔

سوال: اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح پہچانتے تھے کہ جس طرح اسے پہچاننے کا حق ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی اصلی جگہ کے متعلق کیوں پوچھا؟

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں۔

(i) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا ان کی تکریم وتوقیر کے ارادے پر مبنی تھا اور اس وجہ سے کہ ان کے اعتبار اور مقام کا خیال رکھا جائے۔ حتیٰ کہ کوئی یہ نہ کہتا پھرے کہ آپ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اور ان کی موافقت کے بغیر ہی امور طے کرتے تھے۔ پھر مشورہ کرنا تمام امور میں تو سنت موکدہ ہے ہی مگر دینی امور میں اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے مشورہ فرمایا۔

(ii) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ پہچان رکھتے تھے حتیٰ کہ مسجد حرام میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے معاملہ اظہر من الشمس ہوگیا۔

یہ وجہ بھی تھی کہ منافقین اور دشمنان اسلام آپ رضی اللہ عنہ پر اس بات کی تہمت نہ لگائیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے لئے بغیر ہی رکھ دیا ہے۔

پھر موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کی موافقت کی کہ مقامِ

ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ وہی ہے جو حضرت مطلب بن اَبی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔[1]

(۲) دوسرا قول

مقامِ ابراہیم علیہ السلام عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس کی موجودہ جگہ پر رکھ دیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر[2] میں ذکر کیا ہے کہ:

مقامِ ابراہیم علیہ السلام عہد قدیم سے خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ آج کل وہ جگہ دروازے کی وہ جانب جو مقام حجر سے ملی ہوئی ہے اور داخل ہونے والے کی دائیں جانب نچلی سطح پر ہے وہ جگہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اسے خانہ کعبہ کی دیوار کے پاس رکھ دیا یا یہ کہ اس کے پاس تعمیر ختم ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اسے وہیں چھوڑ دیا لہٰذا جب آپ علیہ السلام کو طواف سے فارغ ہونے کے بعد خانہ کعبہ کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ علیہ السلام نے مناسب جانا کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کریں کیونکہ اسی کے پاس ہی خانہ کعبہ کی تعمیر ختم ہوئی تھی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے خانہ کعبہ کی دیوار سے دور ہٹایا اور آپ رضی اللہ عنہ ان آئمہ مہدیین اور خلفاء راشدین میں سے ایک ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ ان دو ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] التاریخ القویم ۴/۴۱۔

[2] تفسیر ابن کثیر ۱/۱۷۰

"اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر"۔[۱]

"میرے بعد دو ہستیوں یعنی ابوبکر وعمر کی پیروی کرنا"۔

علاوہ ازیں آپ رضی اللہ عنہ کی ذات وہ ہے جن کی موافقت میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنے کے متعلق قرآن کریم نازل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی رائے کی مخالفت نہ کی۔ (کلامِ ابن کثیر)

دلائل

جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اس قول کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(i) امام عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا اور انہوں نے حضرت عطاء اور دیگر اصحاب سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ:

"سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ سے منتقل کیا"۔[۲]

(ii) امام عبدالرزاق نے ہی حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی موجودہ جگہ کی طرف منتقل کیا۔[۳]

(iii) امام بیہقی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ پھر حضرت عمر

۱۔ سنن الترمذی ۵/۶۰۹۔ سنن ابن ماجہ ۱/۳۷۔ مسند احمد ۵/۳۸۲۔ صحیح ابن حبان ۱۵/۳۲۸

۲۔ المصنف ۵/۴۸

۳۔ المصنف ۵/۴۸

فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے دور ہٹا دیا۔[1] اس کی اسناد صحیح ہیں۔

(iv) ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ:

"مقامِ ابراہیم علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کے ایک گوشے میں تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى" کے بعد اسے اس کی جگہ سے تبدیل کر دیا"۔

فرماتے ہیں کہ اسے اس کی اصل جگہ سے پھیرنے سے پہلے اس کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان کتنا فاصلہ تھا اس کا مجھے علم نہیں؟ اور اس بات کا بھی علم نہیں کہ کیا یہ خانہ کعبہ کے ساتھ ملا ہوا تھا یا نہیں؟

تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ آثار اس کے مددگار ہیں۔ واللہ اعلم!

(کلامِ ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اصل جگہ سے دور ہٹانے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ:

"مقامِ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ ملا ہوا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسے مشرق کی طرف ہٹا دیا تا کہ اس سے طواف میں آسانی ہو اور طواف کے بعد اس کے پاس نماز ادا کرنے والوں کو پریشانی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے"۔[2]

حافظ ابن حجر[3] نے بھی اس مقام پر حافظ ابن کثیر کی کامل اتباع کی ہے اور ان

---

[1] السنن الکبریٰ ۵/۷۵

[2] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۸۴ [3] الفتح ۸/۱۶۹

کا کلام اور دلائل ذکر کیے ہیں لیکن ان کے نام کی وضاحت نہیں کی۔ اور انہوں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے دور ہٹانے کی درج ذیل وجہ بیان کی ہے۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کا انکار نہیں کیا۔ تو یہ اجماع ہو گیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ اسے اس کی جگہ پر رکھنے سے طواف کرنے والوں یا نماز ادا کرنے والوں کو تنگی ہو گی تو انہوں نے اسے اس جگہ رکھا جہاں تنگی دور ہوتی تھی اور جو جگہ اس کے لیے مہیا تھی کیونکہ اس جگہ کو جائے نماز بنانے کا حکم دیا گیا ہے''۔

(v) امام فاکھی نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''مقامِ ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کے بالکل سامنے پاس ہی تھا۔ جب عمارت بلند ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ آپ علیہ السلام عمارت کے اوپر سے جھانک سکیں''۔

فرماتے ہیں کہ:

جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہوا کہ لوگ اسے اپنے قدموں تلے روند دیں گے۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اسے موجودہ جگہ رکھ دیا یعنی خانہ کعبہ کے سامنے اس کے اصل مقام کے بالکل سامنے کی جگہ پر رکھ دیا۔[1]

حافظ ابن کثیر اور آپ کے تابعین نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اصل جگہ سے ہٹانے کی علت اس اثر سے اختیار کی ہے۔

(vi) حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کی

۱۔ الفاکھی ۱/۴۵۴

۲۔ فتح الباری ۶/۴۰۶

روایات میں یہ ذکر کیا ہے کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ میں اتنا اضافہ ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حجرِ اسود اور مقام نازل ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو پتھر پکڑاتے تھے۔ جب اس جگہ پہنچے جہاں حجرِ اسود ہے تو اسے اس جگہ رکھ دیا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا دیا"۔

(vii) امام فاکھی و ازرقی نے نوفل بن معاویہ دیلی سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عبدالمطلب کے عہد میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کے ساتھ "مھاۃ" کی مانند ملا ہوا دیکھا"۔

ابو الولید ازرقی سے "مھاۃ" کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس سے مراد سفید دھاگہ ہے۔[1]

دوسرے قول کے دلائل کا تعاقب

اس قول کے قائلین کی اہم دلیل سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اور بعض تابعین کرام کے اقوال ہیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا قول حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں قوی نہیں ہے کیونکہ ان کا اہتمام مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے معاملے میں آپ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تھا حتیٰ کہ انہوں سیلاب آنے سے پہلے اس کی پیمائش لے لی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے قول پر اعتماد کیا اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والوں کا اجماع ہے۔

[1] الفاکھی ۱/۴۴۲۔ ازرقی ۲/۳۰۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت مطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں تفصیل اور وضاحت ہے جو کسی اور روایت میں مذکور نہیں ہے اور یہ چیز دیگر روایات کے اجمال کے مقابلے میں اس روایت کے ترجیح یافتہ ہونے کو مؤکد کرتی ہے۔

جہاں تک اقوال تابعین کا تعلق ہے تو ان کے مقابلے میں تابعین کے اقوال ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک گروہ نے گزشتہ دو روایات میں سے کسی ایک کی اتباع کی ہے۔ تو باقی رہا گزشتہ ترجیح یافتہ پہلا قول۔ تو وہی قول غالب ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کی جس روایت سے انہوں نے استدلال کیا ہے اس کے مقابلے میں آپ ہی سے مروی وہ تمام اقوال ہیں جو پہلے قول کے قائلین نے ذکر کیے ہیں۔ تو یہ سب قول اس حیثیت سے ساقط ہوں گے کہ ان میں اس معاملے کی تاکید کی تصریح آئی ہے اور ماسوا کی نفی ہے۔

پھر دوسرے قول کے قائلین نے جو یہ بات ذکر کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ ہاں! ملا ہوا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے موجودہ جگہ منتقل فرمایا۔ جیسا کہ پہلے قول کے دلائل میں مذکور ہے۔ اس طرح تمام دلائل اکٹھے ہو سکتے ہیں اور کسی قول کو ساقط بھی نہیں کرنا پڑیگا۔

ایسے ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دوسرا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی موجودہ جگہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجتہاد پر مبنی تھی اور اس کا سبب طواف کرنے والوں کو زحمت سے بچانا تھا۔ جب کہ دوسرے قول کے مطابق مقام ابراہیم کی جگہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک توقیفی تھی اور اس قسم کے شعار اور ایسی نشانی جسے اللہ تعالیٰ نے جائے نماز بنانے کا حکم دیا ہے اس کے متعلق توقیف ہی زیادہ قریب اور

اولٰی ہے

اسی طرح مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اصل جگہ سے ہٹانے کے متعلق جو یہ علّت بیان کی گئی ہے کہ اس کا سبب طواف کرنے والوں کو زحمت سے بچانا تھا تو یہ علّت بھی بعید از قیاس ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج کی سعادت حاصل کی اور یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اس وقت مقامِ ابراہیم علیہ السلام طواف کرنے والوں کے درمیان کھڑا رہا حتیٰ کہ اگر ان میں سے دس حصے یا اس سے بھی کم طواف کرتے تو وہ بہت تھے لیکن اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی جگہ سے منتقل نہیں فرمایا۔

(۳) تیسرا قول

زمانہ ماضی میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے موجودہ جگہ منتقل فرما دیا۔ یہ قول امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے[۱] حضرت مجاہد سے مروی اس اثر کو ابن کثیر اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ حالانکہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منتقل فرمایا تھا۔

ایک اور اثر اس قول کا سہارا ہے۔ اور وہ اثر امام فاسی نے شفاء الغرام[۲] میں موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"علماء کرام کا خیال تھا کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ سے ملا ہوا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے موجودہ جگہ منتقل فرمایا"۔

امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے لیکن ترجیح دینے والا

---

۱ تفسیر ابن کثیر ۱۷۰/۱

۲ شفاء الغرام ۲۰۶/۱

قول ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا:

"پھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام لمبے عرصے اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود خانہ کعبہ کے دروازے کے پہلو میں رہا حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے موجودہ جگہ رکھ دیا۔ صحیح روایت کے مطابق اس میں اضطراب ہے۔ (یعنی روایت میں)"۔ [1]

تیسرے قول کا تعاقب

حضرت مجاہد سے مروی قول ضعیف ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ کیونکہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے مروی خبر صحیح اور دیگر آثار اس قول کے معارض ہیں اور اس کا رد کرتے ہیں۔ اسی طرح امام موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے مروی اثر کے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔

(۴) چوتھا قول

یہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "المدونۃ" [2] میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی اور حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو موجودہ جگہ منتقل کر دیا اس سے پہلے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اس سے پہلے یہ بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ عہدِ جاہلیت میں سیلاب کے خدشے کی وجہ سے لوگوں نے اسے اس جگہ سے آگے بڑھا دیا تھا۔ تو جب حضرت عمر

---

[1] تحفۃ المحتاج ۹۲/۴

[2] المدونۃ ۴۵۲/۱

فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی الماری سے ایک فیتہ نکالا جس کے ساتھ ان لوگوں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ شریف کا درمیانی فاصلہ ماپا ہوا تھا۔ اور ایسا انہوں نے اس وقت کیا تھا جب انہوں نے سیلاب کے خدشے کی بنا پر اسے خانہ کعبہ سے آگے کر دیا تھا۔ وہ فیتہ نکال کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیمائش کی اور اسے اس کی موجودہ جگہ رکھ دیا۔ تو یہ اس کی وہ جگہ ہے جو عہد جاہلیت اور عہد ابراہیم علیہ السلام میں تھی‘‘۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

’’وہ بات جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کام پر برانگیختہ کیا وہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانات کو بدلنا کراہت پر مبنی ہے۔ اور اسی میں سے آپ رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا ہے کہ ’’اگر ایسا نہ ہوتا کہ آپ کی قوم نئی نئی کفر کو ترک کر چکی ہے تو میں بیت اللہ شریف کو گرا دیتا‘‘۔[1]

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جگہ بدلنے میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی نشانیوں کو بدلنے کا عمل نہیں ہے۔[2]

چوتھے قول کا تعاقب

(i) پہلی بات تو یہ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ بات پہنچی ہے یہ ضعیف روایت کے حکم میں ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ یہ صحیح روایات کے مخالف ہے اور ان

[1] صحیح بخاری ۳/۴۳۵۔ صحیح مسلم ۲/۹۶۹

[2] القریٰ ص ۳۴۶

کے مقابلے میں قوی بھی نہیں ہے۔

(ii) اگر امام صاحب کے قول کو بفرضِ محال قبول کر بھی لیا جائے تو یہ کہا جائے گا۔ کہ پہلا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اس جگہ منتقل فرمایا جہاں یہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کی پیمائش پر اور موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق اور ان کے اجماع پر اعتماد کیا تھا علاوہ ازیں اس جگہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے ہی ذاتی طور پر پہچان تھی۔

جبکہ چوتھا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو عہدِ جاہلیت کی پیمائش پر مبنی جگہ پر منتقل فرمایا۔

اب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو روایت اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو منتقل کرنے میں اپنی ذاتی پہچان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پہچان پر اعتماد کرتے ہوئے بالخصوص حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ جن کا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ میں خاص اہتمام تھا ان کے قول پر اعتماد کرتے منتقل فرمایا تو یہ روایت دیگر روایات سے زیادہ قوی اور اولیٰ ہوگی۔ اور یہی چیز پہلے قول کے راجح ہونے کی دلیل بھی ہے۔

(iii) پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو منتقل کرنے کی جو علت ذکر کی ہے وہ ظاہر کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ہے۔ جبکہ پہلے قول میں اس چیز کی وضاحت اور منتقل کرنے کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے یعنی سیلاب۔ اور یہ چیز معروف و مشہور ہے۔

پس یہ چیز بھی پہلے قول کے ترجیح یافتہ ہونے کی دلیل ہے۔

اس طرح چاروں اقوال پیش کرنے کے بعد، ان کے دلائل ذکر کرنے اور ان میں غور وفکر کرنے کے بعد پہلا قول ہی باقی بچتا ہے جو کہ ترجیح یافتہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

گزشتہ اقوال میں محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیق

اِس مسئلہ کے بارے میں ذکر کیے گئے مختلف اقوال میں محبّ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق کی۔ اتمام حجر کے لئے ہم اسے بھی ذکر کریں گے اور جو اس میں قابل اعتراض چیز ہے اسے بھی بیان کریں گے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

امام اَزرقی نے حضرت مطلب بن اَبی وداعہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے۔اس میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال

پہلا احتمال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ:

”میں اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ جسے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ کا علم ہے وہ مجھے بتائے؟“۔

اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ عہدِ نبوت میں جو اس کی اصل جگہ تھی اس کے بارے میں بتائے اور یہی چیز قریب الفہم ہے۔کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہت زیادہ تلاش کیا کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔اور اسی طرح ابنِ اَبی ملیکہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا۔اسی وجہ سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی موجودہ جگہ وہی ہے جو عہدِ نبوت میں تھی اور اسے خانہ کعبہ کے ساتھ سیلاب کے خدشے کی وجہ سے ملایا گیا تھا۔

دوسرا احتمال

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عہد ابراہیم علیہ السلام میں اس کی اصل جگہ کے بارے میں پوچھا ہوتا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسے اس جگہ منتقل فرما دیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نشانیوں کو باقی رکھنے کو ترجیح دیتے تھے اور انہیں تبدیل کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پردہ فرمانے تک مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف کے ساتھ ملا ہوا چھوڑے رکھا تو اس میں قریش کی نشانیوں اور رائج شدہ چیزوں کو نہ بدل کر ان کی تالیف قلوب مطلوب تھی۔

یہی وجہ ہے کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عہد ابراہیم علیہ السلام میں اس کی اصل جگہ کے متعلق سوال کیا تا کہ اسے اسی جگہ منتقل فرمائیں اور اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اس چیز پر اعتماد کیا جو آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جانی تھی۔ تو یہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل ہوا۔ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں جو معلوم تھا اس کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ نے اس کی طرف رجوع کیا اور جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ جانا تھا اس پر عمل کیا جیسا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تعمیر کے وقت جو کچھ بیت اللہ شریف میں شامل تھا اسے مقام حجر میں داخل کر دیا اور جو اس کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا اس پر اعتماد کیا۔ اور یہ بات مشہور ہے۔

اس طرح حضرت مطلب رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو نقل کیا ہے ان کے درمیان کوئی تناقض نہیں رہتا۔ پس ان دونوں اقوال میں سے ایک کو رد کرنے کی بجائے ان میں تطبیق زیادہ مناسب ہے۔ اور جو ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے وہ انہوں نے حضرت مطلب رضی اللہ عنہ کی روایت کے سیاق کلام سے سمجھ کر کہا ہے جبکہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ثابت کیا ہے وہ اس پر یقین کرتے ہوئے ثابت کیا ہے اور یہ چیز توقیفی ہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم![1] (کلامِ محب طبری رحمۃ اللہ علیہ)

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کا تعاقب

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ کے بارے میں ذکر کیے گئے مختلف اقوال میں جو تطبیق کی ہے اس میں غور وفکر کی گنجائش ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے خود مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی دوری کی پیمائش کی ان کی صحیح روایت اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچنے والی خبر اور جو اس میں عہد جاہلیت کی پیمائش کا ذکر ہے ان دونوں کے درمیان تطبیق کریں۔ اس طرح انہوں نے اس دونوں روایات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ان دونوں کی صحت میں اولاً تو اختلاف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک روایت اپنی جگہ مستقل اور دوسری سے مختلف ہے چنانچہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی پیمائش کی تھی ان کی روایت ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان کیسے تطبیق ممکن ہے باوجود اس کے کہ ان کے درمیان ایک سے زیادہ معاملات میں اختلاف ہے۔

ایسے ہی جو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جگہ کے بارے میں دوسرا احتمال محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:

> "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جو جگہ عہد ابراہیم علیہ السلام میں تھی اس کے متعلق سوال کیا......اور جب حضرت مطلب رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ

[1] القریٰ ص ۳۴۷۔

کو بتایا۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف رجوع کیا"۔

اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کو عہد ابراہیم علیہ السلام میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی جو جگہ تھی اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ انہوں نے تو سیلاب آنے سے پہلے خود اس کی پیمائش کر کے اس کی جگہ کے متعلق جانا تھا۔ وگرنہ تو یہ پہلے قول کو پختہ کرتا ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام عہد نبوت علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام میں اور بعد میں موجودہ جگہ ہی تھا اور بیت اللہ شریف سے ملا ہوا نہیں تھا۔ اور یہ بات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کہی۔

اس تمام بحث سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی اصل جگہ کے بارے میں پہلا قول ہی ترجیح یافتہ ہے۔

باب سوم

مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور مشاعر بیت الحرام کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام

سیّدنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں اور بیت اللہ شریف کے شعائر کی تعریف کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے۔ اور ان واضح نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی جس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے وہ نشانی مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اور اِس کی تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وفعلاً دونوں طرح فرمائی ہے۔

اہتمام کی واضح دلیل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

"حتی اذا أتینا البیت معه صلی اللہ علیہ وسلم استلم الرکن فرمل ثلاثا ومشی اربعا ثم نفذ إلی مقامِ ابراهیم فقرأ "واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّی" فجعل المقام بینه وبین البیت"۔[1]

---

[1] صحیح مسلم ۸۸۷/۲۔

''حتیٰ کہ جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِاسود کو استلام کیا اور طواف کے تین چکروں میں تیز چلے اور باقی چار چکروں میں درمیانی چال سے چلے۔ پھر مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لائے اور مذکورہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھا''۔

امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا فرمائیں تو ''واتخذوا من مقامِ ابراھیم مصلّی'' آیت مبارکہ تلاوت فرمائی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی اور مشعر حرام کے پاس پہنچنے کے وقت ان سے متعلقہ آیات تلاوت فرمائیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مناسک کے پاس ان کے متعلقہ آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو ان شعائر کی فضیلت سکھانا چاہتے تھے اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو زندہ فرمانا چاہتے تھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درود شریف ''کما صلیت علی ابراھیمؑ وعلی آل ابراھیم'' کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو ہر نماز میں زندہ کرنے کا اہتمام فرمایا۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم جدِّ امجد تھے اور انہوں نے اس اُمت میں ان کی ہدایت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا فرمائی تھی۔ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم اجمعین وعلی ابراھیمؑ و اسماعیل وجمیع آبائہ واِخوانہ الأنبیاء والمرسلین'')۔[1]

---

[1] تحفۃ المحتاج ۹۲/۴۔

امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمان باری تعالیٰ "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى" کے سبب نزول میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

"وافقت ربی فی ثلاث فقلت یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم! لو اتخذنا من مقام ابراهیم مصلی؟ فنزلت "واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّى"۔[1]

"(جب میں نے دیکھا کہ) میرے ربّ تعالیٰ نے تین چیزوں میں میری موافقت فرمائی ہے تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہم مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بناتے"

تو مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "الدلائل" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں کہ:

"أخذ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بید عمر فمرّ به علی المقام فقال له هذا مقام ابراهیم فقال عمر یا نبی اللّٰه ألا نتخذه مصلّى؟ فنزلت "واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّى"[2]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

یا رسول اللہ! کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنائیں؟"

تو مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

---

[1] صحیح بخاری ۱/۵۰۴۔ صحیح مسلم ۴/۱۸۶۵۔ [2] الفتح ۸/۱۶۹۔

اس روایت میں زیادہ اہتمام اور زیادہ فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی شان اور پہچان اپنے فعل مبارک کے ساتھ فرمائی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنے دو وزیروں میں سے ایک یعنی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور حرم پاک میں موجود اس عظیم واضح نشانی کی پہچان کروانے کے لئے اور اس کا شرف و فضل بیان کرنے کے ارادے سے اس کے پاس سے گزرے۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قولاً بھی مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا شرف و فضل بیان فرمایا جس کے بارے میں احادیث مبارکہ انشاء اللہ آئندہ اوراق میں ذکر کی جائیں گی۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف اور پہچان میں نبی کریم ﷺ کا یہ اہتمام ہم سے بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم بھی نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ایسا ہی اہتمام کریں۔ چنانچہ عمومی طور پر عام مسلمانوں اور خصوصی طور پر حجاج کرام اور عمرہ ادا کرنے والوں کے لئے ان واضح نشانیوں کا شرف و فضل بیان کیا جائے اور ان کی اور ان کی تاریخ یعنی مقامِ ابراہیم علیہ السلام، حجرِ اسود، زمزم، صفا و مروہ اور تمام شعائر وغیرہ کی پہچان کروائی جائے۔

نبی کریم ﷺ کے ان شعائر کے بیان کے اہتمام کی مناسبت سے ایک تجویز یہ ہے کہ وہاں رہنما تختیاں لگائی جائیں جن پر اختصار کے ساتھ ان مقامات کی پہچان اور فضائل لکھے گئے ہوں اور حجاج کرام وغیرہ انہیں جان سکیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ انور پر کیا گیا ہے یعنی اس کے سامنے والے حصے پر اس کی فضیلت میں وارد ہونے والی حدیث مبارکہ لکھی گئی ہے۔ اسی طرح مسجد قباء میں بھی اس کے بارے میں وارد ہونے والی آیتِ مبارکہ اور اس کی فضیلت اور اس میں نماز ادا کرنے کی فضیلت میں جو حدیث مبارکہ آئی وہ لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں دیگر جگہوں پر تختیاں لگائی گئی ہیں۔

ایسے ہی مقام ابراہیم، حجرِ اسود، صفا و مروہ، زمزم اور دیگر آیات بینات اور شعائر عظام کی پہچان کیلئے تختیاں لکھ کر لگائی جائیں۔ خصوصاً اس وقت کہ عمومی طور پر دین کے معاملے میں اور خصوصی طور پر شعائر عظام سے بہت زیادہ جہالت برتی جارہی ہے۔ اور یہ چیز عام لوگوں اور شہروں و دیہاتوں سے آنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کے درمیان علم اور خیر پھیلانے کے مترادف ہے۔

اس تعریف اور پہچان کا حجاج کرام وغیرہ کے پاکیزہ نفوس میں بہت بہتر اثر پڑے گا اس طرح کہ ان کے دلوں میں شعار ایمان زندہ ہوں گے اور ان کی عقلیں ان آیاتِ ربانیہ میں غور و فکر کرنے کے لئے بیدار ہوں گی جو اللہ تعالیٰ نے اس طیب و مبارک خطے میں ودیعت فرمائی ہیں اور یہ چیز اس بات کا بھی سبب ہوگی کہ ان مقامات کی تعظیم ان کے دلوں میں اُبھرے گی جیسا کہ خود اللہ ربّ العزت نے اپنے اس فرمان عالیشان سے اس بات پر ابھارا ہے۔

"ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب" (حج:۳۲)

"اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ (تعظیم) دلوں کے تقویٰ میں سے ہے"۔

لہٰذا اس کے ساتھ دل نرم ہوں گے اور خشوع و خضوع اختیار کریں گے، آنکھیں روئیں گی اور آنسو بہائیں گی جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت ہوتی تھی۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"يا عمر! ها هنا تسكب العبرات"۔[1]

"اے عمر (رضی اللہ عنہ) یہاں آنسو بہائے جاتے ہیں"۔

---

[1] قد تقدم۔

باب چہارم

فضائل مقام ابراہیم علیہ السلام

اللہ ربّ العزت نے اس مکرّم پتھر (مقامِ ابراہیم علیہ السلام) کو بے شمار فضائل سے نوازا ہے اور بہت سی ایسی آیات کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے جو اس کے عظیم شرف اور بڑی شان پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے فضائل قرآن کریم کی نصوص اور صریح احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں مقام ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی ہمیشگی

اللہ ربّ العزت نے بیت اللہ شریف کا ذکر کرتے وقت قرآن کریم میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو دو عظیم نشانیوں کے زمرے میں ذکر فرمایا ہے۔ تو جتنے لمبے عرصے تک قرآن کریم تلاوت کیا جائے گا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے حسین تذکرے کو ہمیشگی ملے گی اور اس کے شرف و فضل کا بیان ہوتا رہے گا اور ساتھ ہی ابوالانبیاء سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی تکریم کا بیان بھی جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حرم شریف کی عظیم نشانیوں میں اسے بھی ایک واضح نشانی کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسے جائے نماز بنانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"واذجعلنا البیت مثابة للناس وأمنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی" (البقرة:۱۲۵)

"اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے رجوع کا مرکز اور جائے امان بنا دیا (اور حکم دیا کہ) ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بنالو"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ ربّ العزت نے بیت اللہ شریف کا شرف و فضل بیان فرمایا ہے اور جس چیز کے ساتھ اسے شرعاً و قدراً موصوف فرمایا ہے وہ چیز بیان فرمائی یعنی اس کا لوگوں کیلئے جمع ہونے کی جگہ بنانا اس طرح روحیں اس کی مشتاق ہوتی ہیں اور اس کی طرف کھنچتی ہیں اور اس سے ان کا جی نہیں بھرتا گرچہ ہر سال اس کی طرف آئیں اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا ہے کہ:

"فاجعل أفئدة من الناس تھوی إلیھم" (ابراھیم:۳۷)

"پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ شوق و محبت کے ساتھ ان کی طرف مائل رہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت "أمنا" کے ساتھ بیان فرمائی یعنی جو اس میں داخل ہوا اسے امن حاصل ہو گیا اگر چہ اس نے کوئی بھی فعل سرانجام دیا پھر اس میں داخل ہوا تو وہ پھر بھی مامون ہوگا۔[1]

جبکہ فرمان باری تعالیٰ "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی" سے مراد یہ ہے کہ: "اے لوگو! مقام ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بنا کر

[1] تفسیر ابن کثیر ۱/۱۶۸

اس کے پاس نماز ادا کرو۔ تمہاری طرف سے تو یہ عبادت ہوگی جبکہ میری طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکریم ہوگی"۔[1]

اسے جائے نماز بنانے کے حکم میں اس کی شرف وشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور جب تک تلاوت کرنے والے قرآن کریم کی تلاوت کریں اور طواف کرنے والے طواف کریں اس کے ذکر کو دوام بخشنا مقصود ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ زمین کا اور اس پر موجود ہر چیز کا وارث ہو جائے۔ (یعنی تا قیامت)

اور فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

"إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا وهدى للعالمين فيه ايات بيّنات مقام ابراهيم"۔ (آل عمران:۹۶-۹۷)

"بے شک وہ پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا وہ مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہاں والوں کے لئے (مرکز) ہدایت ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے"۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کو باقی رکھا کہ بیت اللہ شریف، حج اور اس کے پاس دعا مانگنے اور نماز ادا کرنے کے ساتھ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اسے یاد کیا جاتا رہے گا۔

(۲) حرم پاک میں اللہ کی عظیم نشانی "مقام ابراہیم علیہ السلام"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا وهدى للعالمين فيه ايات بيّنات مقام ابراهيم"۔ (آل عمران:۹۶-۹۷)

[1] تفسیر طبری ۲/۵۳۸۔

”بے شک وہ پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا وہ مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہاں والوں کے لئے (مرکز) ہدایت ہے۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے“۔

اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں کے لئے اس چیز کو بیان فرمایا ہے کہ بیت اللہ شریف میں واضح الدلالت نشانیاں ہیں اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور حرم میں داخل ہونے والے کا مامون ہونا یہ دونوں حرم پاک کی نشانیوں میں سے مثال کے طور پر ذکر کئے۔ اور خصوصی طور پر ان دونوں کا ذکر ان کی عظمت کی بنا پر فرمایا۔[1]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام ایسی عظیم نشانی ہے کہ خود اس کی ذات میں بے شمار اور عجیب وغریب واضح نشانیاں اور عیاں معجزات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مکرّم پتھر میں ظاہر فرمایا ہے۔ تو یہ چیز ایک نشانی میں کئی نشانیوں کے مترادف ہے۔ وہ نشانیاں درج ذیل ہیں۔[2]

(i) سخت چٹان میں قدمین شریفین کے نقوش۔

(ii) ٹخنوں تک قدمین شریفین کا چٹان میں دھنسنا۔

(iii) اس قسم کے ایک ہی پتھر کا نرم پڑنا۔

(iv) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا عمارت کے بلند ہونے کے وقت اور حج کے لئے اذان دینے کے وقت پہاڑ کی مانند بلند ہونا۔

(v) لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود اس کا باقی رہنا۔

---

[1] المحرر الوجیز لابن عطیہ ۳/۲۲۴۔

[2] احکام القرآن ۱/۷۵۔ البحر المحیط ۳/۷-۸، تفسیر کبیر ۴/۵۳، ۸/۱۵۹۔ تفسیر ابی السعود ۱/۳۸۸۔ روح المعانی ۴/۶۔

(vi) دشمنوں کی کثرت اور سخت دشمنی کے باوجود اس کا محفوظ رہنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کیسے اس کی حفاظت فرمائی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ۳۱۷ھ میں جب قرامطیوں نے حرم پاک پر دست درازی کی اور فتنہ وفساد برپا کیا تو ابوطاہر قرمطی حجرِ اسود کو اٹھا لے گیا۔ اس طرح کہ وہ حجرِ اسود کو اٹھانے کے بعد مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بھی اٹھانے کے لئے آیا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا کیونکہ خانہ کعبہ کے خدام نے اسے مکہ مکرمہ کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا تھا[1]

پھر فتنہ وفساد ختم ہونے کے بعد اسے حرم پاک لایا گیا اور تب سے آج تک اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہ اللہ تعالیٰ کی حفظ وعنایت کے دائرے میں رہے گا حتیٰ کہ اسے جنت کی طرف اٹھا لیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

(vii) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مشرکین کی پوجا سے محفوظ فرمائے رکھا۔

اس بارے میں جو چیز قابل ذکر اور قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں عرب پتھروں خصوصاً مکہ مکرمہ اور حرم پاک کے پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے لیکن کسی سے بھی یہ بات نہیں سنی گئی کہ اس نے حجرِ اسود یا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پتھر کی پوجا کی ہو حالانکہ وہ ان کا بہت زیادہ احترام بھی کرتے تھے اور اکثر ان کے پاس ہی رہتے تھے۔

ہم نے اس کے سبب کے متعلق غور وفکر کیا تو ظاہر یہ ہوا کہ یہ چیز عصمت باری تعالیٰ سے متعلق ہے کیونکہ اگر عہد جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جاتی اور پھر عہدِ اسلام میں ان کی تعظیم کو اس طرح برقرار رکھا

---

[1] الکامل ۶/۲۰۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۱۷۱۔ شفاء الغرام ۱/۲۱۰۔ اتحاف الوریٰ لابن فہد ۲/۳۷۷

جاتا کہ حجرِ اسود کو استلام کرنے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے کے ساتھ ان کی تعظیم کی جاتی تو منافقین اور دشمنان اسلام یہ ضرور کہتے کہ اسلام نے بھی کچھ بتوں کے احترام کو برقرار رکھا ہے اور یہ بھی شرک کے شائبہ سے پاک نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو عہد جاہلیت میں ان کی پوجا کرتا تھا وہ مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کی پوجا سے چمٹا رہتا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ ربّ العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک اور آئندہ جب تک اللہ چاہے گا ان دونوں پتھروں کو عہد جاہلیت والوں کی پوجا سے محفوظ رکھے گا جیسے کہ بیت الحرام کو محفوظ رکھا۔ اور یہ چیز مخفی نہیں کہ یہ ایسا دقیق نقطہ ہے کہ جس پر ہر آدمی مطلع نہیں ہوسکتا''۔[1]

(viii) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید باری تعالیٰ پر واضح اور قوی دلیل ہے کیونکہ ایک پتھر کو مٹی کے گارے کی طرح نرم کرنا کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم داخل ہو گئے اس چیز پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے۔

(ix) مقامِ ابراہیم علیہ السلام سیدنا ابرہیم علیہ السلام کے لئے معجزہ اور آپ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے۔

(x) حرمِ پاک میں موجود یہ دو نشانیاں یعنی مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور داخل ہونے والے کا مامون ہونا یہ کفارِ قریش کے خلاف حجت ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی یہ دونوں عظیم اور مشہور ہیں اور انہیں ان کا ادراک حسّی حاصل ہے۔ تو مقام ابرہیم علیہ السلام توحید باری تعالیٰ اور فقط اسی کی عبودیت میں ان کے خلاف حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔

---

[1] مقامِ ابراہیم علیہ السلام ص ۱۰۷

(xi) پھر یہ کسی بھی لحظے میں قیام، رکوع اور سجود کرنے والوں سے خالی نہیں رہتا بلکہ ہر لحہ اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والے موجود ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی" پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ تو تمام تعریفیں اس اللہ ربّ العزت کے لئے ہیں جو علی الدوام معبود حقیقی اور بے نیاز ہے۔

(۳) مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے کے لیے حکم ربانی

فرمانے باری تعالیٰ ہے:

"واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی"۔ (البقرۃ:۱۲۵)

"اور (حکم دیا) کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو جائے نماز بنالو"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بنانے کا یہ صریح اور واضح حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اس مقام کو بہت بڑی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی شان حاصل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے جائے نماز بنانے کے حکم ربانی سے پہلے مقامِ ابراہیم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے قبلہ اور جائے نماز کی حیثیت رکھتا تھا۔

امام اُزرقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے اس اثر کے بارے میں سوال کیا جو کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مروی ہے...... پھر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کی دعوت دینے سے فارغ ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اسے بطور قبلہ رکھنے کا حکم دیا اور آپ علیہ السلام خانہ کعبہ کے دروازے کے سامنے اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے"۔[1]

یہ سب مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کی دلیل ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لئے اسے قبلہ اور امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کے لئے جائے نماز بنانا پسند فرمایا۔

(۴) مقامِ ابراہیم جنت سے نازل شدہ یاقوت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"الركن و المقام یا قوتتان من یو اقیت الجنة ولو لا أنّ الله طمس علی نور هما لأ ضاء تا مابین المشرق والمغرب"[2]

"حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو بجھایا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کے مابین ہر چیز کو روشن کر دیتے"۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ:

"ولولا ما مسهما من خطایا بنی آدم لأضاء امابین المشرق و المغرب وما مسهما من ذی عاهة ولا سقیم إلا شفی"[3]

"اگر اسے بنی آدم کی خطاؤں نے نہ چھوا ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کے

---

[1] أزرقی ۳۰/۲۔
[2] الفاکہی ۴۴۲/۱۔
[3] السنن للبیہقی ۷۵/۵۔ أزرقی ۲۹/۲۔ (اسنادہ صحیح المجموع ۳۶/۸۔)

مابین ہر چیز کو روشن کر دیتے اور جو بھی مصیبت زدہ اور بیمار اسے چھوتا اُسے شفا نصیب ہوتی''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں۔

''إن الركن والمقام من الجنة''۔[1]

''حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنت سے اترے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''ليس في الأرض من الجنة إلا الركن الأسود والمقام فإنهما جوهرتان من جوهر الجنة ولولا ما مسهما من أهل الشرك ما مسهما ذوعاهة إلا شفاه الله''۔[2]

''زمین پر سوائے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے کوئی جنتی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جنتی جواہر ہیں۔ اگر انہیں مشرکین نے نہ چھوا ہوتا تو جو بھی مصیبت زدہ اسے چھوتا اسے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتا''۔

(۵) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا جنت کی طرف لوٹنا وغیرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

''الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة وإليها يصيران ولولا ما مس هذا الركن من الأنجاس لأبرأ الأكمه والأبرص''۔[3]

''حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں اور

[1] أزرقی ۱/۳۲۲، ۲/۲۹۔

[2] أزرقی ۱/۳۲۲، ۲/۲۹۔

[3] الفاکہی ۱/۴۴۴۔

واپس جنت کی طرف چلے جائیں گے۔ اگر اس حجرِ اسود کو ناپاک لوگوں نے نہ چھوا ہوتا تو یہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک اور روایت مروی ہے، فرماتے ہیں:

"إن الركن و المقام ياقوتتان من ياقوت الجنة نزلا من السماء لهما نور فلما وضعا في الارض طفئي نورهما ولو لا ما أطفأ الله من نورهما لأضاءا ما بين السماء والارض. آنس الله تعالىٰ بهما آدم فكانا يتلألأن تلألؤا من شدة بياضهما وأخذ آدم الركن فضمه إليه استئناسا به ولو لا ما طبع الله من ايدي الجاهلية لأبرأ الأكمه والابرص.

وليس في الارض شئي من الجنة الا الركن والمقام فانهما جوهرتان من جوهر الجنة يأتي كل واحد منهما يوم القيامة أعظم من أبي قبيس لهما عينان وشفتان يشهدان لمن و افاهما بالوفاء"۔[1]

"حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوت ہیں۔ جنت سے نازل ہوئے تو ان کا ایک خاص نور تھا۔ جب انہیں زمین پر رکھا گیا تو ان کا نور بجھا دیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کا نور نہ بجھایا ہوتا تو یہ زمین و آسمان کے مابین ہر چیز روشن کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی وحشت دور فرمائی۔ یہ اپنی سخت سفیدی کی وجہ سے ٹمٹمایا کرتے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے حجرِ اسود کو پکڑ کر اپنے ساتھ وحشت دور کرنے کے

---

[1] الفاکھی ۱/۴۴۳۔ الدر المنثور ۱/۱۱۹۔

لئے چمٹا لیا اور اگر اللہ تعالیٰ نے عہد جاہلیت کے لوگوں کے ہاتھوں سے اس پر مہریں نہ لگوائی ہوتیں تو یہ مادر زاد اندھے اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے۔

زمین پر سوائے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے کوئی جنتی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جنتی جواہر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن لایا جائے گا تو اس کی جسامت ابوقبیس پہاڑ کی مانند ہو گی۔ ان کی دو آنکھیں اور ہونٹ ہوں گے اور جس نے ان کا حق پورا پورا ادا کیا اس کی گواہی دیں گے۔"

امام اَزرقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

"نزل الركن و المقام مع آدم ليلة نزل بين الركن والمقام فلما أصبح رأى الركن والمقام فعرفهما فضمهما إليه وأنس بهما"۔[1]

"حضرت آدم علیہ السلام جس رات حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی درمیانی جگہ پر اُترے تو آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام بھی اُترے۔ صبح کے وقت آپ علیہ السلام نے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو پہچان لیا۔ تو انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیا اور ان سے اُنس حاصل کیا"۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إن الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة نزلا فوضعا

---

[1] اَزرقی ۳۲۵/۱

على الصفا فأضاء نور هما لأهل الارض ما بين المشرق والمغرب كما يضئى المصباح في الليل المظلم يونس الروعة ويستانس اليه، وليبعثن الركن و المقام وهما في العظم مثل أبي قبيس يشهدا ن لمن وا فاهما با لوفاء فرفع الله تعالىٰ النور عنهما وغيّر حسنهما فوضعهما حيث هما"۔[1]

"حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوت ہیں۔ جنت سے اتار کر صفا پہاڑی پر رکھ دیئے گئے تو ان کے نور نے زمین والوں کے لئے مشرق و مغرب کے مابین اسی طرح روشنی کر دی جیسے تاریک رات میں چراغ روشنی کرتا ہے وہ وحشت دور کرتا ہے اور اس سے انس حاصل کیا جاتا ہے۔ حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو دوبارہ اٹھا لیا جائے گا درآنحالیکہ یہ جسامت میں ابوقبیس پہاڑ کی مانند ہوں گے۔ جس نے ان کا حق پورا پورا ادا کیا یہ اس کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھا لیا اور ان کا حسن تبدیل کر دیا اور جہاں تھے وہاں رکھ دیا"۔

تنبیہ

گزشتہ نصوص میں جو یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام جنتی یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے جو جنت سے اترا ہے۔ تو یہ اپنے ظاہری معنیٰ اور حقیقت پر محمول ہوگی۔ خصوصاً اس وقت جبکہ تتمہ نصوص اس کی تائید کر رہا ہے یعنی یہ جنت کی طرف لوٹ جائے گا اور جہاں سے آیا تھا وہاں رکھ دیا جائیگا۔ تو اصلاً یہ جنت سے ہی ہے مگر جب اسے زمین پر رکھا گیا تو حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا کہ اس

[1] ازرقی ۱/۳۲۶۔ الفاکہی ۱/۹۴۔

میں زمینی حالات کا لحاظ رکھا جائے لہٰذا اس کا نور بجھا دیا گیا۔[1]

(٦) قبولیت دعا کا مقام

حضرت حسن بصری تابعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ:

”کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پندرہ جگہوں پر دعا کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اور ان میں سے ایک جگہ ذکر کی ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دعا قبول ہوتی ہے“۔

بہت سے علماء کرام اور فقہاءِ کرام نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان فرمائی ہے کیونکہ یہ دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے۔[2]

ان اقوال کے مطابق مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے والے کو چاہیے کہ دنیا و آخرت کے امور میں سے جو پسند ہو وہ دعا مانگے۔ اور افضل یہ ہے کہ ماثورہ دعائیں مانگے۔

چند ماثورہ دعائیں

ذیل میں چند ماثورہ دعائیں ذکر کی جائیں گی جو اس بابرکت جگہ مانگنی چاہئیں۔

(i) حضرت آدم علیہ السلام نے جو دعا مانگی۔ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ دعا

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۶۵۔

[2] اخبار مکہ للفاکھی ۲/۲۸۸۔۲۸۹

[3] مناسک النووی ص ۲۶۰۔ ہدایۃ السالک لابن جماعۃ ۲/۸۶۲۔ فتح القدیر ۲/۳۶۰۔ مناسک ملا علی القاری ص ۹۴۔

خاص اس جگہ مانگی تھی جہاں بعد میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام رکھا گیا۔ جیسا کہ علماء کرام نے کتبِ تفسیر وفقہ اور کتبِ مناسک میں ذکر فرمایا ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

"اللهم إنك تعلم سرّي وعلانيتي فاقبل معذرتي و تعلم حاجتي فأعطني سؤلي و تعلم ما في نفسي فاغفرلي ذنوبي۔ اللهم إني أسألك إيمانا يبا شر قلبي و يقينا صادقا حتى أعلم أنه لا يصيبني إلا ما كتبت لي ورضا بما قسمت لي يا أرحم الراحمين"۔

"اے اللہ! میں تجھ سے ایسے ایمان کا طلبگار ہوں جو دل کے ساتھ ملا ہوا ہو اور یقینِ صادق کا طلبگار ہوں تاکہ میں یہ جان لوں کہ مجھے وہی مصیبت لاحق ہوگی جو تو نے میرے لئے لکھی ہے۔ اور جو تو نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر رضا کا طلبگار ہوں۔ اے ارحم الراحمین!"

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ:

"یآدم إنك دعوتني دعاء استجبت لك منه وغفرت ذنوبك وفرجت همومك و غمومك ولن يدعو به احد من ذريتك من بعدك إلا فعلت ذلك به ونزعت فقره من بين عينيه واتجرت له من وراء كل تاجر وأتته الدنيا وهي كارهة وإن لم يردها"۔[۱]

"اے آدم علیہ السلام! تو نے مجھ سے جو دعا مانگی میں نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے اور تیری لغزشیں معاف فرمادیں۔ اور تیرے مصائب و

---

[۱] المناسک از علی القاری ص ۹۳۔ الدر المنثور ۱/۵۹۔ کنز العمال ۵/۵۷۔ فتح القدیر ۲/۳۶۰۔ حاشیہ ابن حجر ہیتمی علیٰ مناسک النووی ص ۲۶۰۔

آلام کی گرہیں کھول دی ہیں۔ اور تیرے بعد تیری اولاد میں سے جو بھی یہ دعا مانگے گا میں اسے شرف قبولیت سے نوازوں گا اور اس کا افلاس دور کر دوں گا اور ہر تاجر کے پیچھے اس کے لئے تجارت کا راستہ کھول دوں گا۔ اور دنیا اس کے پاس ذلیل و رسوا ہو کر آئے گی اگرچہ وہ اسے نہ لوٹائے''۔

(ii) امام ابن جماعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

مستحب یہ ہے کہ اس جگہ وہ دعا مانگی جائے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر فرمایا:

''اللھم ھذا بلدك والمسجد الحرام و بيتك الحرام وأنا عبدك وابن عبدك وابن أمتك وقد جئتك طالبا رحمتك مبتغيا مرضا تك وأنت مننت علي بذلك فاغفرلي وارحمني إنك على كل شيء قدير''۔[1]

''اے اللہ! یہ تیرا شہر، مسجد حرام اور بیت الحرام شریف ہے اور میں تیرا بندہ اور تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہوں۔ میں تیری بارگاہ میں تیری رحمت کا طلبگار اور تیری خوشنودی کی چاہت لے کر حاضر ہوا اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا۔ تو مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو ہر چاہت پر قادر ہے''۔

(iii) امام ابن جماعۃ نے امام حافظ ابوعمرو ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد یہ دعا

[1] ہدایۃ السالک ۸۶۲/۲۔ حاشیہ ابن حجر ہیتمی علی مناسک النووی ص ۲۶۰۔

مانگنی چاہیے۔

"اللھم اِنی عبدك وابن عبدك أتيتك بذنوب كثيرة واعمال سيئة وهذا مقام العائذبك من النار فاغفرلي اِنك أنت الغفور الرحيم"۔[1]

"اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں میں تیری بارگاہ میں بہت سے گناہ اور برے اعمال لے کر حاضر ہوا ہوں اور اس جگہ تجھ سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ تو مجھے بخش دے۔ بے شک تو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔

فرماتے ہیں کہ "العائذ من النار" سے اپنا آپ مراد لے۔ جبکہ بعض مصنفین نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور پناہ مانگنے والے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہے۔ شیخ ابوعمرو فرماتے ہیں کہ یہ بہت فحش غلطی ہے"۔

(iv) امام ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جب حج کرنے جاتے تو سات چکر طواف کرتے پھر دو رکعتیں ادا فرماتے اور ان میں جلسہ (دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) طویل فرماتے اور آپ کا جلسہ قیام سے زیادہ طویل اس وجہ سے ہوتا تھا کہ آپ اس میں اپنے رب تعالیٰ کی مدح فرماتے تھے اور اپنی حاجت طلب فرماتے تھے۔ اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ:

"اللھم اعصمني بدينك وطاعتك وطواعية رسولك اللھم

---

[1] ہدایۃ السالک ۸۶۴/۲۔

جنبني حدودك اللهم اجعلني ممن يحبك ويحب ملائكتك و يحبّ رسلك ويحب عبادك الصالحين.

اللهم حببني اِليك واِلى ملائكتك واِلى رسلك واِلى عبادك الصالحين. اللهم يسرلي اليسرى و جنبني العسرى واغفرلي في الآخرة و الاولى.

اللهم اجعلني أوفي بعهدك الذى عاهدت عليه واجعلني من آئمة المتقين ومن ورثة جنة النعيم واغفرلي خطيئتي يوم الدين".

''اے اللہ! مجھے اپنے دین، اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کی حفاظت میں رکھ اے اللہ! مجھے اپنی حدود (میں گرنے سے) سے دور رکھ۔ اے اللہ! مجھے ان میں شامل فرما جو تجھ سے تیرے فرشتوں سے، تیرے رسولوں سے اور تیرے صالح بندوں سے محبت کرتے ہیں۔

اے اللہ! مجھے اپنا، اپنے ملائکہ، اپنے رسولوں اور اپنے صالح بندوں کا محبوب بنا۔

اے اللہ! میں نے جو تجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے اس کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرما۔ مجھے آئمہ متقین اور جنت کے وارثوں میں شامل فرما اور روزِ قیامت میری خطاؤں کی بخشش فرما۔ آپ ﷺ صفا، مروہ، عرفات، مزدلفہ، جمرتین اور طواف میں بھی یہی کہا کرتے تھے''۔[1]

(۷) امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صالح مری تک اپنی سند کے ساتھ اور انہوں نے

---

[1] ہدایۃ السالک ۲/۸۶۳۔ القریٰ ص ۳۵۲۔

عبدالعزیز بن ابی رواد (م ۱۵۹ ہجری) سے روایت کیا ہے کہ:

"وہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے ایک دعا مانگنے والے کو چار کلمات کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے سنا۔ انہیں بہت تعجب ہوا اور انہوں نے وہ کلمات یاد کر لیے۔ پھر ادھر متوجہ ہوئے تو وہاں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

"اللهم فرغني لما خلقتني له ولا تشغلني بما تكلفت لي به ولا تحرمني وأنا اسألك ولا تعذبني وأنا استغفرك"۔[1]

"اے اللہ! تو نے مجھے جس مقصد کے لئے تخلیق کیا ہے اس کے لئے فارغ رکھ اور جس چیز کے ساتھ تو میری آزمائش کرے۔ اس میں مصروف نہ رکھ۔ میں تجھ سے مانگوں تو مجھے محروم نہ فرمانا اور میں تجھ سے بخشش مانگوں تو مجھے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا"۔

مقاماتِ ابراہیمی کی یاد

جب مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی حکمت بیت اللہ شریف کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قابل تقلید نمونہ بنایا ہے ان کی یاد ہی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

"قد كانت لكم أسوة حسنه في ابراهيم والذين معه"۔ (الممتحنہ:۴)

"بے شک تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ (اقتدا) ہے"۔

تو آپ علیہ السلام اپنی صفات حمیدہ اور اخلاق مجیدہ میں قابل تقلید نمونہ ہیں اور اس

---

[1] مثیر العزم الساکن الی اشرف المساکن (قلمی نسخہ) لوح ۱۰۲۔

کے علاوہ جن مقامات عالیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اس کی یاد مقصود ہے تو وہ نمازی جو اس مقام حسّی کے پیچھے اور اس متبرک پتھر کے پاس کھڑا ہو جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ان مقاماتِ عالیہ اور ان کراماتِ الٰہیہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائیں انہیں یاد کرے۔ اور اس جگہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے جو قبولیت دعا کا مقام ہے اور جس میں برکتوں کی امید ہوتی ہے اس جگہ اس بات کا سوال کرے کہ ان مقامات ابراہیمی سے اس کے لئے حظّ وافر لکھ دیا جائے۔ وہ ربّ العزت قریب اور دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازنے والا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت نے بہت سی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ مقامات درج ذیل ہیں:

(i) حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف اور مسلم تھے یعنی اللہ ربّ العزت کے حکم کی اتباع کرنے والے، ہدایت کی راہ پر سیدھے چلنے والے، اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی اختیار کرنے والے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما وما كان من المشركين"۔ (آل عمران:۶۷)

''ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے (سچے) مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے''۔

(ii) آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

"واتخذ الله ابراهيم خليلا"۔ (النساء:۱۲۵)

"اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا مخلص دوست بنالیا تھا"۔

(iii) آپ علیہ السلام حلیم، اوّاہ اور منیب تھے یعنی جو آپ علیہ السلام سے برائی سے پیش آتا اس سے درگزر کرتے، اپنے ربّ تعالیٰ کے حضور گریہ زاری کثرت سے کرتے اور لغزشوں پر بہت زیادہ آہ و زاری کرتے اور اپنے ربّ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بہت زیادہ رجوع فرماتے تھے۔

اِرشادِ ربانی ہے:

"اِنَّ ابراهيم لحليم أوّاه منيب"۔ (هود:۷۵)

"بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے متحمل مزاج آہ و زاری کرنے والے، ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے"۔

(iv) آپ علیہ السلام أمةً قانتاً لله حنيفًا کے وصف سے متصف تھے یعنی بھلائیوں کے جامع، وہ امام جس سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے، ہر باطل دین کو چھوڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والے، اسے کبھی نہ چھوڑنے والے اور دینِ اسلام پر استقامت اختیار کرنے والے تھے۔

اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

"اِنَّ ابراهيم كان أمة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين"۔ (النحل: ۱۲۰)

"بے شک ابراہیم (علیہ السلام تنہا ذات میں) ایک امت تھے اللہ کے بڑے فرمانبردار تھے ہر باطل سے کنارہ کش (صرف اسی کی طرف یکسو) تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

(v) آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے، چنیدہ اور ہدایت یافتہ

تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

"شاکرا لأنعمه اجتبٰه وهداه اِلٰى صراط مستقيم"۔ (النحل:۱۲۱)

"اس (اللہ) کی نعمتوں پر شاکر تھے اللہ نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمائی"۔

(vi) آپ علیہ السلام صدیق نبی تھے۔

فرمان الٰہی ہے:

"واذكر فى الكتاب ابراهيم اِنّه كان صديقا نبيا"۔ (مریم:۴۱)

"اور آپ کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے بے شک وہ بڑے صاحبِ صدق نبی تھے"۔

(vii) اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آگ سے نجات عطا فرمائی اور وہ آپ علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی۔

ارشاد الٰہی ہے:

"قلنا يا نار كونى بردا وسلاما على ابراهيم"۔ (الانبیاء:۶۹)

"ہم نے فرمایا اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا"۔

(viii) آپ علیہ السلام وفی (حق پورا پورا ادا کرنے والے) تھے۔

اللہ ربّ العزت کا فرمان عالیشان ہے:

"وابراهيم الذى وفّى"۔ (النجم:۳۷)

"اور ابراہیم (علیہ السلام) کے (صحیفوں میں تھیں) جنہوں نے (اللہ کے ہر امر کو) بتمام وکمال پورا کیا"۔

(ix) آپ علیہ السلام ہر چیز میں بہترین اور قابل تقلید نمونہ تھے خصوصاً کفار اور ان کے کرتوتوں سے برأت کا اظہار فرمانے میں بہترین نمونہ تھے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه اِذ قالو القومهم انا براء وا منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابدا حتى تؤمنوا بالله وحده"۔ (الممتحنۃ:۴)

"بے شک تمہارے لئے ابرہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ (اقتدا) ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو کلیتہً بیزار (اور لاتعلق) ہیں۔ ہم نے تم سب کا کھلا انکار کیا ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت و عناد ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو چکا یہاں تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ"

یہ سب اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے۔ صلى الله على نبينا وعليه أفضل الصلوات وأزكى التسليمات۔[1]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے والے اور دعا مانگنے والے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرنا نہ بھولے کہ وہ باری تعالیٰ اسے مقامات محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بھی ملائے اور ان میں داخل فرمائے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگلوں پچھلوں، انبیاء و مرسلین کے سردار اور دو جہانوں

[1] رسالہ مقام ابرہیم علیہ السلام از علی دوہ بسو (قلمی نسخہ) لوح:۸۔

کے پروردگار کے محبوب، صاحبِ مقامِ محمود، صاحب حوضِ کوثر اور صاحب لواءِ حمد ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر سب آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمِ اعظم کے وسیلے سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے کریم نبی ﷺ کی کامل اتباع اور زیادہ محبت سے نوازے اور ہمارا حشر آپ ﷺ کے گروہ میں اور آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہو۔ اور ہمارے والدین، مشائخ اور تمام مسلمانوں پر وہ فضل فرمائے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ آمین!

فصل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رضی اللہ عنہ کا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے عبادت کیلئے کوشش کرنا وغیرہ

امام فاکھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''أخبار مکہ'' میں ایک باب باندھا ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے ''مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھنا اور جو اس میں بیٹھا اس کا تذکرہ'' اور ایک باب اس نام سے باندھا ہے ''مقام ابرہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے واقعات کا تذکرہ''۔ ان دونوں ابواب میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے کہ جب وہ مسجد حرام میں آتے خصوصاً سحری کے وقت تو وہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھنے کے لئے کس طرح کوشش کرتے اور اپنے اوقات عبادت و بھلائی کے کاموں میں کیسے گزارتے اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نفلی نماز ادا کرنے اور علم و خیر کی مباحث میں کس طرح کوشش کرتے اور ان کا یہ کوشش کرنا اسی وجہ سے تھا کہ یہ جگہ مسجد حرام کی دوسری اطراف کے مقابلے میں زیادہ شرف وفضیلت کی حامل ہے۔

اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"خير المسجد خلف المقام و عن يمين الامام"۔[1]

"بہترین سجدہ گاہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے اور امام کے دائیں جانب ہوتی ہے"۔

ذیل میں وہ تمام واقعات ذکر کیے جائیں گے۔ کیونکہ صالحین کرام کے ذکر سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور اس نیکی میں ان کی جدوجہد کو جاننے سے مسلمان اس کے لیے ہشیار ہو جاتا ہے اور یہ چیز اس کے لئے ان کی تقلید کرنے میں مددگار ہوتا ہے اور وہی بہترین قابل تقلید نمونہ کی حامل ہستیاں ہیں۔

(۱) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے واقعات

(i) امام فاکھی نے اپنی سند کے ساتھ عامر بن عبدہ سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں کہ:

"ایک رات میں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے قیام کیا تو ایک آدمی دیکھا جو بہت زیادہ سفید کپڑوں والا اور بہت پیاری خوشبو والا تھا اور ایک آدمی اس کے پاس تھا جو اس کی غلطی پر لقمہ دیتا۔ دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے"۔[2]

(ii) امام فاکھی نے ہی اپنی سند کے ساتھ حضرت طاؤس سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"میں سحری کے وقت مسجد حرام میں تھا تو میں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ایک آدمی کو سجدے کی حالت میں دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

اے اللہ! زمین و آسمان کے خالق، پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کو جاننے

[1] اخبار مکہ از فاکھی ۱/۴۶۶

[2] اخبار مکہ از فاکھی ۱/۴۶۲

والے۔ تو اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ فرماتا ہے جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اگر تو نے لوح محفوظ میں مجھے شقی اور محروم لکھا ہے اور میرے رزق میں مجھ پر تنگی لکھی ہے تو مجھ سے شقی کا نام مٹا اور اپنے ہاں مجھے سعید (خوش بخت) ثابت فرما اور میرے رزق میں وسعت عطا فرما۔ کیونکہ تو نے ہی اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

"یمحو اللہ ما یشآء و یثبت و عندہ ام الکتاب"۔ (الرعد:۳۹)

"اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔

مجھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور فلاں عورت (انہوں نے اپنی والدہ کا نام لیا تھا لیکن راوی وہ نام بھول گئے) کو آگ سے نجات فرما"۔

میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے"۔[1]

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھنے اور نماز ادا کرنے پر بہت حریص تھے۔ امام فاکہی نے اس بارے میں اپنی سند کے ساتھ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے جب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان رکھا ہوتا تھا"۔[2]

(iv) امام فاکہی نے ہی حضرت ثابت سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

---

۱ الفاکہی ۱/۴۶۲

۲ الفاکہی ۱/۴۶۲

''میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا۔ وہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے اس طرح نماز ادا فرما رہے تھے گویا کہ وہ لکڑی ہیں''۔ یعنی بہت زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے''۔[1]

(v) آپ ہی نے حضرت عباد بن منصور سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

''میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بہت عاجزی کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا''۔[2]

(vi) حضرت سالم بن اَبی حفصہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

''مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے میری جان پہچان ہوئی۔ ایک رات میں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی تو میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا اور ابھی ان سے میری جان پہچان نہیں ہوئی تھی۔ میں نے یہ پڑھا: ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم اِنك حمید مجید وبارك علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم اِنك حمید مجید۔ تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے مجھے کنکری ماردی۔ گویا جو میں نے پڑھا اس سے انہیں تعجب ہوا۔ اور انہوں نے کہا۔ تو کون ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ کوفہ سے آیا ہوں۔ تو آپ نے خوشی کا اظہار کیا''۔[3]

---

1. الفاکہی ۱/۴۶۲
2. الفاکہی ۱/۴۶۶
3. الفاکہی ۱/۴۶۵

(vii) حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک اعرابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میرے شر کی وجہ سے مجھے اپنی خیر سے محروم نہ فرمانا۔ اے اللہ! اگر تو نے میری تھکاوٹ اور مشقت قبول نہیں فرمائی تو مجھے اس میں لاحق ہونے والی مصیبت کا اجر عطا فرمانا۔

"اے اللہ! میرے ذمے تیرے کچھ حقوق و فرائض ہیں۔ میں تجھ سے اس بات کا طلبگار ہوں کہ تو مجھے وہ حقوق بخش دے اور میرے ذمے لوگوں کے واجبات ہیں میں تجھ سے اس بات کا طلبگار ہوں کہ وہ مجھ سے پورے کروانا۔ اور ہر مہمان کے لئے مہمانداری ہوتی ہے تو میری مہمانداری کو اسی شام جنت کے کھانے میں بنا"۔[1]

(۲) علم و خیر کی مباحث کے لئے اس کے پیچھے بیٹھنے کے واقعات

(i) امام فاکہی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عطا سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کو مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے یہ کہتے ہوئے سنا:

"وقال النبي صلى الله عليه وسلم! من جهز غاز يا أو خلفه في أهله كان له مثل أجره"۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس آدمی نے کسی غازی (مجاہد) کو سامان جہاد مہیا کیا یا اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی نگہداشت کی تو اس کے لئے بھی اسی کی

---

[1] الفاکہی ۱/۴۶۷
[2] الفاکہی ۱/۴۵۲۔ صحیح بخاری ۶/۴۹۔ صحیح مسلم ۳/۱۵۰۷۔

مانند اجر ہوگا‘‘۔

(ii) امام فاکھی نے ہی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن جریج سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

’’میں اور حضرت عطاء ایک شام مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ کہ اچانک حضرت اعمش آئے۔ میں نے ان کا استقبال کیا تو انہوں نے کہا۔ اے ابومحمد! آپ نے مجھے خبر دی تھی کہ آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ’’أهللنا بالحج خالصا؟‘‘ یعنی ہم نے خالص حج کا احرام باندھا تو انہوں نے کہا۔ ہم نے آپ کی خبر دی تھی اور آپ سے جدا ہو گئے تھے‘‘۔[1]

(۳) ذکر اللہ اور دعا کے لئے اس کے پیچھے بیٹھنے کے واقعات

امام فاکھی نے اپنی کتاب ’’اُخبار مکہ‘‘ میں ایک باب باندھا ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے ’’مکہ مکرمہ کے قصوں کا ذکر‘‘ اور یہ قصے مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے پیچھے ذکر اللہ اور دعا پر مشتمل ہیں۔ پھر فرمایا:

’’مسجد حرام میں فجر کی نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا اور دعا مانگتا اور لوگ اس کی دعا پر آمین کہتے تھے اور وہ ایسا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے امام کے سلام پھیرنے کے بعد کیا کرتا تھا اور ایسا کرنے والے سب سے پہلے حضرت عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد یہ طریقہ چل نکلا‘‘۔[2]

---

[1] الفاکھی ۱/۴۵۳۔
[2] الفاکھی ۲/۳۴۸

حضرت عبید رضی اللہ عنہ واعظ، مفسر، تابعین کرام میں سے ثقہ اور مکہ مکرمہ میں ان کے امام تھے۔ آپ لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ۹۳ھ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے چند دن پہلے فوت ہوئے۔"[1]

(۴) مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھنے کی عظیم قدر و منزلت

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن محمد شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام خواص رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۱ھ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے طواف کے دوران ایک نوجوان دیکھا جس نے ایک چادر بطور تہبند باندھی ہوئی تھی اور ایک اوپر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ بہت زیادہ طواف کر رہا تھا اور نماز ادا کر رہا تھا۔ تو میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں نے چار سو درھم نکالے اور اس کی طرف گیا۔ اس وقت وہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے وہ درہم اس کی چادر کے پاس رکھے اور کہا۔ میرے بھائی! یہ رقم اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے استعمال کر لینا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور ان درہموں کو کنکریوں میں بکھیر دیا اور کہا۔ اے ابراہیم! میں نے اس جگہ بیٹھنا اللہ تعالیٰ سے ستر ہزار دینار کے بدلے میں خریدا ہے۔ تو چاہتا ہے کہ اس میل کچیل کے ساتھ مجھے اللہ عزوجل کے بارے میں دھوکہ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"میں نے کنکریوں سے وہ رقم جمع کرتے ہوئے اپنے آپ سے زیادہ ذلیل و رسوا کسی کو نہیں دیکھا اور اس نوجوان سے بڑھ کر معزز کسی کو

---

[1] سیر اعلام النبلاء ۴/۱۵۶

نہیں دیکھا درآنحالیکہ وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ چلا گیا"۔[1]

(۵) مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کے گرد آنیوالے پرندے کا واقعہ

ابو الولید اُزرقی (م ۲۵۰ھ) نے اپنی کتاب اخبارِ مکۃ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"بروز ہفتہ ۲۷ ذیقعد ۲۲۶ھ طلوع آفتاب کے وقت جبکہ بہت سے حجاج کرام طواف میں مشغول تھے تو چھوٹی گھاٹیوں کی طرف سے بلبل سے کچھ بڑا پرندہ آیا۔ اس کا رنگ یمنی چادر جیسا، کچھ پر سرخ اور کچھ سیاہ تھے، موٹی لمبی ٹانگوں والا، لمبی گردن والا اور موٹی لمبی چونچ والا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی سمندری پرندہ ہے۔ وہ کافی دیر مسجد حرام میں چاہ زمزم کے قریب حجرِ اسود کے سامنے بیٹھا رہا۔

فرماتے ہیں کہ:

پھر وہ وہاں سے اڑا اور رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان خانہ کعبہ کے وسط میں ٹکرایا۔ البتہ حجرِ اسود کے زیادہ قریب تھا۔ پھر وہ ایک آدمی کے کندھے پر گرا۔ وہ آدمی خراسان کے حاجیوں میں سے تھا اور احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے حجرِ اسود کے پاس طواف کر رہا تھا۔ وہ پرندہ اس کے دائیں کندھے پر بیٹھا۔ اس کے ساتھ اس آدمی نے طواف کے سات چکر لگائے۔ دوسرے لوگ اس آدمی کے قریب ہو کر اس پرندے کو دیکھتے تھے۔ البتہ وہ پرندہ سکون سے بیٹھا ہوا تھا اور لوگوں سے وحشت زدہ نہ تھا۔ وہ آدمی جس کے کندھے پر وہ پرندہ بیٹھا ہوا تھا وہ طواف کے دوران لوگوں کے درمیان چل رہا تھا لوگ اس کی طرف دیکھتے اور متعجب ہوتے تھے۔ جبکہ اس آدمی کی آنکھوں سے آنسو اس کے رخساروں اور داڑھی پر بہہ رہے تھے۔

[1] مثیر العزم الساکن الی اشرف المساکن (قلمی نسخہ) لوح: ۱۰۳۔

فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت محمد بن عبداللہ بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے وہ پرندہ اس آدمی کے دائیں کندھے پر دیکھا۔ لوگ اس آدمی کے قریب ہو کر اسے دیکھتے لیکن نہ تو وہ ان سے خوفزدہ ہوتا اور نہ ہی اُڑتا تھا۔ میں نے تین مرتبہ سات چکر طواف کیا۔ ہر طواف کے بعد میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرتا پھر واپس آتا تو وہ آدمی کے کندھے پر موجود ہوتا، فرماتے ہیں کہ:

پھر طواف کرنے والوں میں سے ایک آدمی آیا اور اس پرندے پر اپنا ہاتھ رکھا لیکن وہ پھر بھی نہ اڑا۔ اس آدمی نے بعد ازاں طواف کا ایک چکر لگایا پھر خود بخود وہ پرندہ اڑا اور کافی دیر مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے اوپر دائیں جانب بیٹھا رہا۔ اس وقت اس نے اپنی چونچ پروں میں چھپائی ہوئی تھی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوگ گھیرا ڈال کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اچانک دربانوں میں سے ایک نوجوان آیا اور اسے ہاتھ مار کر پکڑ لیا تاکہ ایک آدمی جو کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کر رہا تھا اسے دکھا سکے۔ تو وہ پرندہ اتنی زور سے چیخا کہ وہ دربان خوفزدہ ہو گیا۔ اس کی چیخ پرندوں کی آواز جیسی نہیں تھی تو اسے سن کر وہ دربان گھبرا گیا اور اسے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ تو وہ اڑا اور سرخ ستون کے قریب دار الندوہ کے سامنے سائے سے دور زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر لوگ اسے دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے لیکن وہ ان سے ذرّہ بھر وحشت زدہ نہ ہوا۔ پھر خود بخود اڑا اور مسجد حرام کا وہ دروازہ جو دار الندوہ اور دار العجلہ کے درمیان ہے اس سے نکل کر قعیقعان پہاڑ کی طرف چلا گیا"۔[1]

---

[1] اخبار مکہ ۲/۱۷، ۱۸۔ اتحاف الوریٰ ۲/۲۹۴۔

باب پنجم

فقہی حوالے سے فرمانِ الٰہی

"واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی"

(i) مذکورہ آیت کا سببِ نزول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وافقت ربی فی ثلاث فقلت یا رسول اللّٰه لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلّی؟ فنزلت "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی"[1]

"(جب میں نے دیکھا کہ) میرے ربّ تعالیٰ نے تین چیزوں میں میری موافقت فرمائی ہے۔ تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کاش ہم مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو جائے نماز بناتے"

تو مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ابونعیم نے "الدلائل" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ ذکر

---

[1] صحیح بخاری ۱/۵۰۴۔ صحیح مسلم ۴/۱۸۶۵۔

کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

"أخذ النبي صلى الله عليه وسلم بيد عمر رضي الله عنه فمرّ به على المقام فقال له هذا مقام ابراهيم، قال عمر: يا نبي الله ألا تتخذه مصلّى؟ فنزلت"۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ارشاد فرمایا: یہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ اسے جائے نماز نہیں بنائیں گے؟ تو اس وقت مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے جس طرح سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نماز ادا کرتے تھے اسی طریقہ کو تلاش کرتے تھے باوجود اس کے کہ تورات شریف میں غور وفکر کرنے سے روکا گیا تھا۔ آپ اس وجہ سے ایسا کرتے تھے کیونکہ آپ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان "اِني جاعلك للناس اِماما" یعنی "میں آپ کو لوگوں کے لئے اِمام بنانے والا ہوں" اور یہ فرمان عالیشان "أن اتبع ملة ابراهيم" یعنی "ملت ابراہیمی کی اتباع کرو" سن رکھا تھا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جان لیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانا اسی شریعت میں سے ہے اور بیت اللہ شریف کی نسبت آپ علیہ السلام کی طرف ہے اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نشانات ایسے ہیں جیسے کسی عمارت پر معمار کے نام کی تختی کندہ ہوتا کہ اسے اس کی موت کے بعد بھی یاد کیا جائے اور آپ رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنا ایسے خیال کیا

---

[1] الفتح ۸/۱۶۹

جیسے بیت اللہ کا طواف کرنے والا معمار کا نام لے رہا ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:"اس بارے میں یہی بات مناسب اور نکتہ رس ہے"۔[1]

(ii) مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا کرنا مستحب

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فطاف با لبیت سبعا و صلّی خلف المقام رکعتین ثم خرج الی الصفا وقد قال اللّٰہ تعالیٰ "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ"۔[2]

نبی کریم ﷺ (خانہ کعبہ) تشریف لائے تو بیت اللہ شریف کا سات چکر طواف کیا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی پھر صفا پہاڑی کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اللہ ربّ العزت کا فرمان، عالیشان ہے کہ:

"تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے"۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کے حج کا طریقہ روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"حتی إذا أتینا البیت معہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم استلم الرکن فرمل ثلاثا ومشی أربعا ثم نفذ إلی مقامِ ابراھیم فقرأ "واتخذو امن مقام ابراھیم مصلّی" فجعل المقام بینہ و بین البیت وکان یقرأ فی الرکعتین "قل ھو اللّٰہ

[1] صحیح بخاری ۳/۴۸۷۔

[2] صحیح بخاری ۳/۴۸۷۔

احد" و "قل یا یھا الکافرون"۔[1]

"حتیٰ کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف پہنچے تو آپ ﷺ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کے تین چکروں میں تیز چلے اور چار میں درمیانی چال چلے پھر آپ ﷺ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے اور مذکورہ بالا آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ آپ ﷺ دو رکعتوں میں سورۃ اخلاص اور سورۃ کافرون تلاوت فرمایا کرتے تھے"۔

مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتوں کے مستحب ہونے پر جمہور مفسرین کرام اور فقہاء عظام کا اتفاق ہے۔

جیسا کہ امام علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ہر وہ نماز ادا کی جاسکتی ہے جسے عرفاً نماز کا نام دیا جاتا ہے۔ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے اور اردگرد ہر جگہ ادا کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا مقامِ ابراہیم علیہ السلام کا مکمل مشاہدہ شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے اس پر نص بیان کی ہے۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے طواف کی دو رکعتیں کسی بھی جگہ ادا کرنے کی جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ مگر امام مالک کے نزدیک طواف کی دو رکعتیں بیت اللہ میں اور مقام حجر میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نمازی کو بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ نمازی جو بیت اللہ میں ہو یا مقام حجر میں ہو وہ ان کے اندر ہے لیکن بیت اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہے۔[2]

---

1. صحیح مسلم ۲/۸۸۷۔
2. المجموع ۸/۶۲۔ فتح الباری ۳/۴۸۸۔ شرح الحطاب علی خلیل ۳/۱۱۔

لہٰذا افضل یہ ہے کہ طواف کی دو رکعتیں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ادا کی جائیں۔ پھر اگر میسّر ہو تو خانہ کعبہ میں، پھر میزاب میں، پھر بیت اللہ کی طرف مقامِ حجر کے قریب والی جگہ، پھر مقام حجر کے باقی حصے میں، پھر بیت اللہ کے سامنے، پھر بیت اللہ کے قریب، پھر باقی مسجد حرام میں، پھر باقی مکہ مکرمہ میں، پھر حرم شریف میں۔ یعنی درجہ بدرجہ! اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو حرم شریف کے باہر اگرچہ اپنے وطن میں ہو۔[۱]

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا کرنے کے تعین کے واجب نہ ہونے اور جہاں بھی نمازی ادا کر لے اس کے جواز پر دلیل وہ ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔

امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال وھو بمکۃ واراد الخروج ولم تکن أمّ سلمۃ طافت بالبیت وأرادت الخروج فقال لھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا اقیمت صلاۃ الصبح فطو فی علیٰ بعیرك والناس یصلون ففعلت ذلك فلم تصل حتی خرجت"[۲]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ وہاں سے جانے کا تھا۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ابھی بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور جانے کا ارادہ کر لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب فجر کی جماعت کھڑی ہو اور لوگ نماز ادا کر رہے ہوں تو اپنے اونٹ پر

۱۔ مناسک النووی مع حاشیہ ابن حجر ہیتمی ص ۲۵۸۔ مناسک ملا علی القاری ص ۹۴۔

۲۔ صحیح بخاری ۴۸۶/۳

بیٹھ کر طواف کر لینا۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا اور نکلنے تک نماز ادا نہ کی“۔

اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ:

”واذا قامت صلاة الصبح فطو في على بعيرك من وراء الناس وهم يصلّون قالت ففعلت ذلك ولم اصل حتى خرجت“۔[1]

جب فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو لوگوں کے پیچھے اپنے اونٹ پر طواف کر لینا درآنحالیکہ لوگ نماز ادا کر رہے ہوں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسے ہی کیا اور باہر نکلنے تک نماز ادا نہ کی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ”انہوں نے باہر نکلنے تک نماز ادا نہ کی“ اس سے مراد یہ ہے مسجد حرام یا مکہ مکرمہ سے نکلنے تک نماز ادا نہ کی۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد حرام سے باہر طواف کی دو رکعتیں ادا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اگر یہ لازم شرط ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس کی اجازت نہ فرماتے۔[2]

علاوہ ازیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ دو رکعتیں ذوطوی جو کہ مکہ مکرمہ کے نچلے حصے کی جگہ ہے وہاں ادا فرمائیں۔[3]

تھوڑا پہلے ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ سے اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ جس جگہ چاہے طواف کی دو رکعتیں ادا کر لے۔ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیت اللہ

۱۔ فتح الباری ۳/۴۸۷

۲۔ فتح الباری ۳/۴۸۷۔

۳۔ صحیح بخاری ۳/۴۸۸۔ موطا ۱/۳۶۸

میں اور مقام حجر میں یہ نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنے کا مستحب ہونا مردوں کے حق میں ہے۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو امام ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص بیان فرمائی ہے کہ:

”مردوں کے لئے زحمت کے باعث عورتوں کے لئے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے اور مسجد حرام کی کسی اور جگہ نماز ادا کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور قریب قریب اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس کے سبب سے ضرر متوقع ہے“۔[1]

لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ مسجد حرام کے آخری کونے میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا کریں البتہ مردوں سے دور رہ کر اور ان کے لئے زحمت کا سبب نہ بنتے ہوئے ایسا کریں اور اس بات پر امید ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بہت بڑا فضل اور عظیم ثواب حاصل ہو۔

تنبیہ

یہاں جس بات سے خبردار کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے والے کثیر لوگوں کے حق میں طواف فرض ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوتا ہے خصوصاً ایام حج میں۔ جبکہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنا مستحب عمل ہے۔ لہٰذا فرض والے کو دیگر پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی لئے مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرنیوالوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ طواف کرنے والوں کے لئے کشادگی پیدا کریں اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام سے دور رہیں اور دور ہونے والے کی نیت یہ ہو کہ وہ حجاج کرام اور عمرہ ادا کرنے والوں کے لئے کشادگی پیدا کر رہا ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں

---

[1] ہدایۃ السالک ۲/۸۶۴

وسعت عطا فرمائے گا۔

اس نیت کے ساتھ اسے دو فضیلتیں حاصل ہو جائیں گی پہلی یہ کہ اس کی نماز مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ہی متحقق ہو گی۔ اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمانوں اور بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کے لئے وسعت کا سبب ہو گا۔

اس کے برعکس جو مقام ابرہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرے اور طواف کرنے والوں کے لئے زحمت اور تنگی کا سبب بنے اس کے متعلق یہ خدشہ ہے کہ اسے بہت زیادہ گناہ ملے۔

اے اللہ! ہمیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما اور صحیح چیز کی طرف ہماری رہنمائی فرما۔

(۳) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے مطلقاً نماز ادا کرنے کا استحباب

یعنی خواہ طواف کی دو رکعتیں ہوں یا کوئی اور نماز۔

امام فقیہہ شافعی اِلکیا ھراسی رحمۃ اللہ علیہ (م۵۰۴ھ) نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان ''واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّی'' کی تفسیر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

> ''یہ آیت مبارکہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعتوں اور اس کے علاوہ ہر قسم کی نماز ادا کرنے پر دلالت کرتی ہے''۔[1]

امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روح المعانی'' میں اسی گزشتہ آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

> ''اس آیت مبارکہ میں حکم استحباب کے لئے ہے۔ کیونکہ ''مصلّی'' کے لفظ سے قریب الفہم معنی مطلقاً نماز ادا کرنے کی جگہ ہے''۔

[1] احکام القرآن ۱/۱۷

جبکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد طواف کی دو رکعتوں کا حکم ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من طوافه عمد الی مقام ابراهيم فصلّی خلفه رکعتين وقرأ الآية" یعنی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصداً مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے اور اس کے پیچھے دو رکعتیں نماز ادا فرمائی اور آیت مبارکہ (مذکورہ بالا) تلاوت فرمائی۔

لہٰذا بعض اقوال کے مطابق یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔

اس قول کا ضعیف ہونا پوشیدہ بات نہیں ہے کیونکہ اس میں بغیر دلیل کے حکم کو مخصوص نماز کے ساتھ مقید کرنا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعتوں کی ادائیگی کے وقت آیت مبارکہ تلاوت فرمانا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ یہ حکم انہی دو رکعتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔[1]

جبکہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے مطلقاً نماز ادا کرنے کے مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سحری وغیرہ کے اوقات میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے جائے نماز بنانے کے لئے (اپنی نفلی نمازوں میں) کوشش فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

(۴) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم

امام فاکہی[2] نے حضرت مغیرہ سے اور انہوں نے اپنے والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"حجاج نے مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر پاؤں رکھنے کا ارادہ کیا تو حضرت محمد

[1] روح المعانی ۱/۳۸۰۔ [2] الفاکہی ۱/۴۵۸

بن علی رضی اللہ عنہ[1] نے اسے منع فرمایا"۔

امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سند کے ساتھ روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"حجاج کافی عرصہ مسجد حرام میں لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا۔ (ایک دن) مقامِ ابراہیم علیہ السلام جھک گیا تو اس نے پاؤں کے ساتھ اسے سیدھا کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا پھر ہاتھ کے ساتھ سیدھا کر دیا"۔[2]

(۵) مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو چھونا

امام فاکہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بشیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ کچھ لوگوں کے پاس گئے جو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو چھو رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تمہیں اسے چھونے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے"۔[3]

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر کوئی آدمی مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو بوسہ دیتا ہے یا چھوتا ہے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو فرمایا: اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے"۔[4]

امام فاکہی نے ہی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ:

"آپ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی آدمی مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو

۱۔ محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام خولہ بنت جعفر رضی اللہ عنہا تھا۔

۲۔ الفاکہی ۱/۴۵۸

۳۔ الفاکہی ۱/۴۵۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۱۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۴۹۔

۴۔ الفاکہی ۱/۴۵۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۱۔ مصنف عبدالرزاق ۵/۴۹۔

بوسہ دے یا چھوئے''۔[1]

امام اَزرقی رحمۃ اللہ علیہ نے اَخبارِ مکہ میں اور طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمان باری تعالیٰ ''واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى'' کی تفسیر نقل کی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مومنین کو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے چھونے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے خود کو ایسی چیز کا مکلّف بنا لیا جس چیز کا سابقہ امتوں نے خود کو مکلّف بنایا تھا ہم سے ایسے کچھ آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایڑیوں اور انگلیوں کے نقوش دیکھے۔ یہ امت انہیں اتنا چھوتی رہی کہ وہ بوسیدہ ہو گئے اور مٹ گئے''۔[2]

الحمدللہ آج بروز بدھ بتاریخ ۱۲ ستمبر ۲۰۰۷ بمطابق
۲۹ شعبان المعظم ۱۴۲۸ ہجری فضل الحجرِ الاسود
و مقامِ ابراہیم کا ترجمہ جامع مسجد قبا باغ والی لاہور میں مکمل ہوا۔
وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه
واولياء امته اجمعين يارب العالمين!

والسلام

مترجم: محمد عابد عمران انجم مدنی
فاضل بھیرہ شریف

---

[1] الفاکہی ۱/ ۴۵۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۴/ ۲۱۔ مصنف عبدالرزاق ۵/ ۴۹۔

[2] اَزرقی ۲/ ۲۹۔ تفسیر طبری ۱/ ۵۳۷۔ (جبکہ اس مسئلہ کے متعلق دیکھئے) مناسک نووی ص ۳۹۷۔ المبدع لابن مفلح ۳/ ۲۲۳۔ الانصاف للمرداوی ۴/ ۱۸۔

الانوار فی شمائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم

موسوم بہ

شمائلِ البغوی

مؤلف

امام حسین بن مسعود محی السنہ البغوی

(م ۵۱۰ھ)

مترجم

محمد عابد عمران انجم مدنی فاضل مدینہ شریف



کرمانوالہ بک شاپ

کرمانوالہ بک شاپ
دکان نمبر ۲، دربار مارکیٹ لاہور
Voice:+92 42 7249515